مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ نقوش اسلام

Issue.No.2	اپریل ۲۰۰۹ء (April,2009) ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ	VOL.No.4

زیر سرپرستی

- مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
- ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
- عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری

مجلس مشاورت

- مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
- مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
- مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
- مولانا محمد صالح جی
- مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی
- مولانا حافظ محمد ایوب کاڑوا
- الحاج موسیٰ بھائی درسوت
- مولانا محمد اختر قاسمی

مجلس ادارت

- مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی
- مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری
- مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

مدیر معاون
ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

مدیر انتظامی
حافظ عبدالستار عزیزی

چیف ایڈیٹر
محمد مسعود عزیزی ندوی

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

فی شمارہ ۱۰/روپے
سالانہ ۱۰۰/روپے
خصوصی ۳۰۰۰/روپے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۲۰ ڈالر

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E-ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.**247129**
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058

ماہنامہ "نقوش اسلام" مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ قائم کریں: **09719639955**

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER MOHD.MASOOD AZIZI NADVI
PRINTED BY UNION PRINTING PRESS DEOBAND SAHARANPUR PUBLISHED AT
Vill&P.O.MUZAFFARABAD, DISTT.SAHARANPUR (U.P) **EDITOR**:MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں!	محمد مسعود عزیزی ندوی	
جائزہ		۶
مسلم خواتین کی علمی......	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی	
تجزیہ		۱۱
ہندو پاک کے فقہی مکاتب......	مولانا سید محمد عبدالرشید ندوی	
سیرت نبوی		۱۴
سیرت نبوی کا تربیتی پہلو	مولانا ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی بھٹکلی	
مسائل وفقہ		۱۶
امامت کے مسائل اور احکام	محمد مسعود عزیزی ندوی	
سیرت وکردار		۱۹
مسلم خواتین کے سچے واقعات	مولانا محمد شیث ادریس تیمی دہلی	
تاریخ ہند		۲۳
ہندوستان انگیزوں کے عہد میں	مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی	
درس اتحاد		۲۸
اختلاف امت اور اتحاد کی سبیل	مفتی رحمت اللہ نیپالی ندوی لکھنؤ	
تجاویز		۳۵
اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا......	اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، نئی دہلی	
فضائل قرآن		۴۰
قرآن اور حاملین قرآن کے فضائل	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہدی پوری	
تبصرے		۴۵
نئی کتابوں پر تبصرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
مراسلات		۴۶
	آپ کے خطوط	
حالت حاضرہ		۴۸
عالمی خبریں	حافظ عبدالستار عزیزی	

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہو رہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۱۰۰/روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۳۰۰۰
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰
$\frac{1}{4}$ صفحہ //		۴۰۰

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسیٹ پریس دیوبند میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفر آباد سے شائع کیا

E.mail:masood_azizinadwi@yahoo.co.in -------- nuqooshe_islam@yahoo.co.in

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سنیٹر: **سرکولیشن منیجر:** قاری محمد صالحین 09027934357 / 09813806392

اداریہ

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں!

محمد مسعود عزیزی ندوی

بلاشبہ کائنات میں خالق کائنات کی بے شمار عجیب وغریب نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں، قرآن کریم جو اللہ کا ایک زندہ وجاوید معجزہ ہے، جس کے عجائب وغرائب اور جس کی معلومات کے خزانے کبھی ختم نہیں ہوں گے، وہ ایسی عجیب وغریب نشانیوں کی نشاندھی کرتا ہے جن پر موجودہ دور کے سائنسداں حیران وششدر رہ جاتے ہیں کہ جن نتائج پر کائنات کے سلسلہ میں ہم لوگ آج پہنچے ہیں، قرآن کریم اب سے چودہ سو تیس سال قبل ان حقائق کو کیسے بیان کرتا ہے، اور وہ اس بات کے سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ضرور کوئی الہام الٰہی، اور آسمانی رشتہ ہے جس کے ذریعہ سے پیغمبر اسلام نے ان باتوں کو بیان کیا ہے، اس لیے بڑے ہی باحوصلہ اور سعادت مند ہیں وہ لوگ جو ان نشانیوں سے اپنے خالق ومالک کی معرفت حاصل کرتے ہیں، یہی وہ معرفت ہے جو انسان کو شک اور تذبذب کے دلدل سے نکال کر ایمان ویقین کی منزل سے آشنا کرتی ہے اور ایسے لوگ اللہ تعالی کی محکم اور بصیرت وحکمت سے لبریز کتاب قرآن کریم میں اپنے ہر سوال کا اصولی جواب پالیتے ہیں۔

اسلام کی ابتدائی صدیوں میں مسلمانوں نے قرآن کریم میں غوطہ زنی کی اور اس سے بیش بہا علمی موتی اور معلومات کے خزانے حاصل کئے، بلکہ سائنسی علوم کے جتنے بھی بانی ہیں، اکثر وبیشتر مسلمان ہیں، جنہوں نے قرآن کریم کو سمجھ کر نئے نئے علوم کی بنیادیں رکھیں اور سائنس کے وہ اصول مرتب کئے کہ آئندہ آنے والے سائنسداں ان خطوط پر چل کر دنیا میں انقلابی چیزوں کے انکشافات کریں، ان سائنسدانوں میں بوعلی سینا، ابونصر فارابی، عباس ابن فرناس، ادریسی، ابوریحان البیرونی وغیرہ سب مسلمان ہیں، جنھوں نے سائنس میں حیرت انگیز ایجادات کی ہیں اور پوری دنیا نے ان کی ایجادات، ان کی تخلیقات، ان کی تحقیقات اور ان کے انکشافات کی داد دی ہے اور ان کو ان علوم کا بانی ومؤسس گردانا ہے اور یہ سب چیزیں انہوں نے اہل دنیا کے نفع کے لیے کی ہیں۔

دوسری طرف اکابر علماء امت نے قرآن کریم میں دینی اور فقہی نقطہ نظر سے غوطہ زنی کی اور تحقیق واجتہاد کا اعلی کارنامہ انجام دیا اور امت کے لیے ایسے مسائل کا استنباط کیا، جس سے امت کے لیے زندگی گزارنا اور زندگی کے مسائل حل کرنا آسان ہو گیا، ائمہ حدیث، ائمہ فقہ، ائمہ مجتہدین اور جملہ مفسرین نے قرآنی علوم میں مہارت پیدا کی اور قرآن سے حکمت ودانائی اور علم وجوہر کے شہ پارے اخذ کئے اور امت کے سامنے پیش کئے اور ایسے اصول مرتب کئے کہ قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے اور زندگی کے ہر شعبے کے لیے ہدایات اور رہنمائی مل گئی، غرضیکہ قرآن کریم میں جس نے جس زاوئے سے غوطہ زنی کی اور وہ قرآن کریم میں

غور وخوض کرنے کے لیے گھس گیا،تو اس نے اسی اعتبار سے ترقی کی اور قرآنی علوم کو سمجھا اور اس سے دنیا کے سامنے علم ومعرفت کے حقائق کے دفتر پیش کئے۔

مگر آج کل مسلمانوں نے قرآن کریم میں غوطہ زنی کرنا تو درکنار اس کے عام معانی ومفہوم کے سمجھنے میں بھی کس قدر بے اعتنائی برتی ہے اور ابھی بھی برتی جارہی ہے، وہ سب کے سامنے عیاں ہے، آج تلاوت تو کی جارہی ہے-تلاوت بھی اگرچہ بعثت کے مقاصد میں سے ایک ہے-مگر قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنے کا رواج نہیں رہا ہے، حالانکہ قرآن کریم خود اس کی دعوت دیتا ہے، کائنات اور کائنات کی ہر چیز میں بلکہ خود انسان کو اپنے نفس کے اندر غور وتدبر کرنے کی اور تحقیق وجستجو کرنے کی دعوت دیتا ہے اور اس پر ابھارتا ہے،مگر مسلمانوں نے قرآن کریم کو برکت کے لیے، مرنے پر ایصال ثواب کے لیے اور رمضان آ گیا تو تراویح کے لیے باقی رکھا ہے، کس مسجد میں قرآن کریم نہیں؟ مگر پڑھنے والے شاید اکادکا نظر آتے ہیں، کس گھر میں قرآن نہیں؟ جزدانوں میں سجایا ہوا مگر پڑھنے والا کوئی نہیں، کتنے حفاظ قرآن ہیں جو سال بھر قرآن نہیں پڑھتے ،صرف رمضان ہی میں پڑھتے اور دیکھتے ہیں تاکہ تراویح میں سنایا جاسکے، کتنے اہل علم اور مولانا ہیں جو قرآن کی چند یا ایک آیت کا بھی ترجمہ نہیں کرسکتے، کتنے علماء ہیں جو قرآن کا ترجمہ جانتے ہیں؟ بہت کم ہیں جو قرآن میں غور وخوض کرتے ہیں الا ماشاءاللہ، یہ مسلمانوں کی عام حالت ہے، بالکل نفی نہیں کی جارہی کہ کوئی قرآن کو چھوتا ہی نہیں، مگر اتنا نہیں جس سے مسلمانوں کو عزت مل سکے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہوکر ❁ اور ہم خوار ہوئے تارک قرآن ہوکر

قرآن حکیم ایسی کتاب ہے جو اس کو سمجھ کر پڑھتا ہے اس کی سوچ اور فکر میں تبدیلی آتی ہے اور وہ متأثر ہوتا ہے اور اس کو ہدایت ملتی ہے، ایمان میں پختگی پیدا ہوتی ہے، قرآن میں سائنس کے متعلق جو حیرت انگیز انکشافات ہیں، ان پر بعض سائنسدانوں نے اپنے تأثرات پیش کئے ہیں، مثلاً:ا-ڈاکٹر وی این پرساد کینیڈا یونیورسٹی میں سائنس کے پروفیسر ہیں، جب ان سے قرآن کے سائنسی معجزوں کے متعلق پوچھا گیا جس پر وہ تحقیق کرچکے ہیں تو انہوں نے کہا ''یہ (معجزہ) جس طرح مجھ پر آشکارا ہوا، اس کا پس منظر یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک عام شخص تھے، وہ پڑھ نہیں سکتے تھے اور نہ ہی لکھنا جانتے تھے، درحقیقت وہ ناخواندہ (امی) تھے، جب کہ ہم تقریباً ۱۴رصدی پہلے کی بات کررہے ہیں، اب آپ کے سامنے ایک شخص ناخواندہ ہے، جو بڑے بڑے اعلانات اور بیانات جاری کررہا ہے اور وہ سائنسی نقطہ نظر سے حیرت انگیز طور پر درست ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ ایک محض اتفاق ہوسکتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ باتیں درست ثابت ہوئی ہیں اور ڈاکٹر مور کی طرح میرے ذہن میں اس بارے میں کوئی خلش نہیں کہ یہ الوہی الہام یا وحی ہے جس نے انہیں ان بیانات کی راہ دکھائی''۔

۲-ڈاکٹر مارشل جونسن امریکہ کی ایک یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں، انہوں نے اپنے ایک تحقیقی مقالے میں کہا کہ ''قرآن نہ صرف

انسان کی بیرونی شکل وصورت کے ارتقاء کو بیان کرتا ہے بلکہ اس کی تخلیق اور ارتقاء کے اندرونی مراحل یعنی جنین کے اندر کے مراحل بھی بیان کرتا ہے اور اس میں رونما ہونے والی بڑی بڑی تبدیلیوں کی توثیق کرتا ہے، جنہیں اس دور کی سائنس تسلیم کرتی ہے'' وہ مزید کہتے ہیں کہ '' مجھے اس عقیدے کی تردید کے لیے کوئی دلیل نہیں ملتی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلومات کسی اور کے ذریعہ سے مل رہی تھی، اور وہ ذریعہ ہدایت الٰہی تھا''۔

••••——————••••

۳- ڈاکٹر ولیم ڈبلیو ہائے مشہور بحری سائنسداں امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں'' ان سے سمندروں کے حال ہی میں دریافت شدہ حقائق کے قرآن کریم میں ذکر پر گفتگو ہوئی جس میں انہوں نے کہا'' مجھے یہ بات بڑی دلچسپ لگی کہ اس نوع کی معلومات قرآن مجید قدیم الہامی کتاب میں پائی جاتی ہیں اور میرے پاس یہ جاننے کا کوئی طریقہ نہیں کہ یہ معلومات کہاں سے آئیں؟ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ نہایت دلچسپ بات ہے کہ ایسی معلومات اس میں موجود ہیں اور یہ کہ اس کتاب کی بعض عبارات کے معانی دریافت کرنے کا سلسلہ جاری ہے'' اور جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ قرآن کی تعلیمات کا سرچشمہ کہاں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا'' ہاں میں سمجھتا ہوں کہ اس کا سرچشمہ ضرور بالضرور ذات باری تعالیٰ ہے''۔

••••——————••••

۴- پروفیسر تیجاسن تیجاسن تھائی لینڈ کی ایک یونیورسٹی کے شعبہ تشریح اعضاء کے چیرمین ہیں، انہوں نے ریاض (سعودی عرب) میں آٹھویں سعودی میڈیکل کانفرنس میں کہا کہ '' پچھلے تین سال کے دوران میں مجھے قرآن سے دلچسپی رہی، اپنے مطالعہ سے اور جو کچھ میں نے اس کانفرنس میں جانا ہے، اس سے مجھے یقین ہے کہ قرآن میں ۱۴/سو سال پہلے جو چیز بھی ریکارڈ ہوئی ہے، ضرور سچ ہے، جسے سائنسی ذرائع سے ثابت کیا جاسکتا ہے، چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ پڑھ سکتے تھے نہ لکھ سکتے تھے، لہٰذا آپ ضرور ایک پیغمبر تھے، جنہوں نے یہ سچائی آگے بنی انسان تک پہنچائی جو ان پر اس ہستی نے نور ہدایت کے طور پر نازل کی جو بحیثیت خالق اس ہدایت دینے کی اہل ہے، وہ خالق بالیقین اللہ کی ذات ہے، لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ یہ کہنے کا وقت آ گیا ہے "لاالـہ الا اللـہ محمدرسول اللہ" اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ (خبرنامہ کٹولی لکھنؤ جنوری، فروری ۲۰۰۹ء)

••••——————••••

مذکورہ غیر مسلم سائنسدانوں کے تأثرات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب غیر مسلم قرآن حکیم میں غوطہ زنی کرتا ہے تو وہ قرآن کے حیرت انگیز انکشافات پر کیسے واقف ہوتا ہے اور پھر کیسے اپنے تاثرات دیتا ہے، اگر اہل ایمان مسلمان پھر سے قرآن پر غور کرنے لگیں اور اس سے اپنے رشتے کو مضبوط کرلیں اور اس کے معانی ومفہوم پر عقل اور دماغ لگائیں اور اس کو دستور حیات اور قیامت تک کے لیے زندہ وجاوید معجزہ سمجھ کر پڑھیں، تو نئے نئے انکشافات سامنے آئیں گے، اور قرآن کی آفاقیت کا علم ہوگا، اور رشد وہدایت کے لیے نئے نئے باب کھلیں گے، اس لیے عاشق کتاب الٰہی علامہ اقبال نے فرمایا ہے۔ ؎

قرآن میں ہوغوطہ زن اے مرد مسلمان ✿ اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

جائزہ

مسلم خواتین کی علمی و دینی خدمات

افادات مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ..........................مرتب: مولانا محمد عزیز اللہ ندوی ادارۃ الصدیق بھٹ

علم کا میدان عورتوں کے کارناموں سے درخشاں ہے:

مجھے افسوس ہے کہ فضلاء امت کی تو سیکڑوں تاریخیں ہیں مگر فاضلات امت کی تاریخ بہت کم لکھی گئی ہے، اگر چہ اللہ تعالی جزائے خیر دے مؤرخین اور سوانح نگاروں کو جیسے ابن خلکان گزرے ہیں جیسے طبقات الشافیہ الکبریٰ، طبقات حنابلہ وغیرہ انہوں نے عورتوں کو بالکل نظر انداز نہیں کیا بلکہ ادبی تاریخوں میں ان کے نام آتے ہیں، میں صرف ایک مثال دیتا ہوں شاید بہت سے لوگوں کے لیے انکشاف ہو یعنی خواتین کی علمی کوششوں، علمی جدو جہد، علمی ذوق وشوق اور شغف کی کامیابی کی ایک ایسی روشن مثال ہے جس سے آدمی پر ایک تحیر قائم ہو جاتا ہے، آپ سے پوچھوں کہ قرآن مجید کے بعد اسلام کے پورے کتب خانہ میں اور اس پورے علمی ذخیرہ میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں اس امت کو عطا ہوا ہے اس کی بنیاد "علم بالقلم" کی وحی سے پڑی ہے، اس کے قلم کی حرکت سے جو دنیا میں بے نظیر کتب خانہ تیار ہوا اس میں کتاب اللہ کے بعد کس کا درجہ ہے یہی پوچھوں تو بالاتفاق جواب دیں گے کہ صحیح بخاری کا درجہ ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ صحیح بخاری ہمارے ہندوستان میں ہر مدرسہ کے لیے معیار فضیلت ہے، اس کو علماء اسلام نے اصح کتاب بعد کتاب اللہ کہا، اس کتاب کے بعد صحیح ترین کتاب صحیح بخاری ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے متعلق حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے" وکل من یھون شانھما فھو مبتدع متبع غیر سبیل المؤمنین" جو ان دونوں کتابوں کی تحقیر کرے اور دونوں کے ساتھ استخفاف کا معاملہ کرے، یا ان کے لیے تنقیص کا کوئی لفظ استعمال کرے، یا اس کی اہمیت گھٹائے وہ مبتدع اور متبع غیر سبیل المومنین ہے اور اس نے مومنین کا راستہ چھوڑ دیا ہے۔

فن حدیث میں عورتوں کا درجہ:

آج ہمارے مدارس میں بخاری شریف پڑھائی جاتی ہے اور پڑھائی جائے گی، آپ جانتے ہیں کہ بخاری شریف کس کی روایت ہے، کریمہ کی روایت ہے، امام بخاری کے سیکڑوں، ہزاروں شاگردوں میں کریمہ کے جتنے شاگرد ہیں، میں اپنے مطالعہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ ان کے شاگردوں کی اتنی بڑی تعداد ہے اور ان کی روایت کو جو اللہ تعالی نے قبولیت عطا فرمائی شاید ان کے کسی دوسرے شاگرد کو قبولیت عطا نہیں فرمائی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ نے جو بخاری شریف پڑھی اور پڑھائی اور مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے جو بخاری شریف پڑھی اور پڑھائی اور شیخ حسین بن محسن انصاریؒ نے بھوپال میں جو درس دیا اور شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے وہ جو بخاری شریف پڑھاتے رہے وہ کریمہ کی روایت ہے، کتنا بڑا شرف ہے کوئی امت اس کو پیش کرسکتی ہے، جب امام بخاری کے شاگردوں نے کوشش کی اور اللہ تعالی نے جیسے ان کے تلامذہ کی کوشش کو بارآور کیا اور آج دنیا میں ان کا نام ونشان باقی ہے، ویسے ہی ان کی تلمیذات کی کوششوں کو کچھ زیادہ ہی بارآور کیا اور یہ چیز ہمارے اسلامی

معاشرہ میں آخر تک باقی رہی، کسی نے حضرت مولانا لطف اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر الزام لگایا کہ آپ بھوپال کو سومنا تھ کہتے ہیں، آپ نے فرمایا میں نہیں کہتا ہوں، میں تو سلطنت مومنات کہتا ہوں، سلطنت مومنات نقطہ عروج پر تھی، نواب سکندر جہاں بیگم، نواب شاہ جہاں بیگم جیسی فاضلہ کا دور تھا، وہاں کے مفتی اعظم مولانا مفتی عبدالقیوم صاحبؒ تھے، مولانا عبدالحئی برہانوی جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے پہلے خلیفہ اعظم تھے (ان کو شاہ اسماعیل شہیدؒ سے پہلے خلافت ملی، ان کے صاحبزادے تھے) مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب کا حال بھوپال کے لوگوں نے بیان کیا اور مولانا حیدر حسن خان صاحب بیان کرتے تھے کہ ان کے پاس کوئی مقدمہ آتا تھا اور اس میں کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے اور اس فکر میں پڑ جاتے کہ اس میں مسئلہ شرعی کیا ہے، تو کہتے ابھی آتا ہوں اور گھر میں جا کر اپنی اہلیہ جو حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب کی صاحبزادی تھیں پوچھتے کیا آپ نے اپنے والد صاحب سے کوئی روایت سنی ہے یا اس مسئلہ میں آپ کے علم میں کوئی بات ہے اور اگر فیصلہ کرتے اور بعض اوقات تو بلا تکلف کہہ دیتے میں ذرا بیوی صاحبہ سے پوچھ آؤں، کوئی مثال ہے اس کی دنیا میں، آج کتنے بڑے مغرب کے دعوے ہیں اور ان کی کیا حقیقت ہے۔

فن ادب میں عورتوں کا درجہ:

ہمارے یہاں ادبیات تک حال یہ ہے کہ ولادہ بنت المستکفی کا نام یاد ہے، اسپین کے امراء میں ایک کی صاحبزادی تھی ان کا ادبی وشعری دربار ایسا منعقد ہوتا تھا کہ جیسے بادشاہوں کے دربار منعقد ہوتے تھے، بڑے بڑے ادباء ان کے پاس استفادہ کے لیے آتے تھے، میں کہاں تک مثالیں دوں تاریخ تو میری کمزور ہے، میں اس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا، میں تو قرآن مجید کے اس اعجاز کا لطف اٹھانا چاہتا ہوں اور بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " لااضیع عمل عامل منکم"، عمل بھی یہاں نکرہ، عامل بھی یہاں نکرہ کسی عمل کرنے والے کے کسی عمل کو میں ضائع نہیں کرتا جس میں تم کوشش کروگے، کوشش کروگی، اگر تم نے عبادت میں کوشش کی تو ہم تم کو رابعہ بصریہ کے مقام اور اس سے بھی آگے کے مقام تک پہنچا سکتے ہیں۔

علمی دنیا میں عورتوں کی خدمات:

ہم آپ کو خدا کی قسم کھا کر بتاتے ہیں کہ دین کے احکام پر عمل کرنے سے اور دین کا ضروری علم حاصل کرنے سے، یا اس پر عمل کرنے سے، مستورات نے اسلامی تاریخ میں، اسلامی دنیا میں وہ وہ ترقیاں حاصل کی ہیں اور روحانیت کے اس درجہ تک پہنچی ہیں جس درجہ تک اس زمانے میں ہزاروں نہیں لاکھوں مرد نہیں پہنچنے پائے، آج ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا رابعہ بصریہ کا نام آپ نے نہیں سنا کہ رابعہ بصریہ کون تھیں، ان کے زمانہ میں ہزاروں نہیں لاکھوں آدمی بھی ان کے درجے کو نہیں پہنچے ہوں گے اور اس کے علاوہ تاریخ پڑھیں اور خود مستورات کی اور مسلمان فاضلات کی اور مسلمان ادبیات کی تاریخیں الگ الگ لکھی گئی ہیں، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ علمی حیثیت سے بھی ہماری بہنیں پرانے زمانے میں ایسے درجہ تک پہنچی ہیں کہ تاریخ میں نام آئے ہیں کہ بڑے بڑے اس زمانے کے علماء ان سے رجوع کرتے تھے، اس وقت ہم ان کے نام لے نہیں سکتے، وہ بہت ہیں اور مجھے سب یاد بھی نہیں، اندلس، بغداد، قاہرہ اور حرمین شریفین میں ایسی عورتیں تھیں کہ ان سے لوگ مسئلہ پوچھنے جاتے تھے اور عربی لغت کی تحقیق کرنے جاتے تھے، ان سے علمی استفادہ کے لیے جاتے تھے، ان کے نام ہیں تاریخ کے اندر، ان کے شاگردوں کے نام ہیں، کتنے بڑے بڑے شاگرد ہوئے، تو یہ دولت علم کی دولت مردوں کے ساتھ مخصوص نہیں، مرد عورت دونوں کے لیے ہے۔

ہندوستان میں عورتوں کی دینی خدمات:

آپ حضرات ہندوستان ہی کی تاریخ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہاں کتنی بیبیوں نے قرآن مجید کی تعلیم اور دینیات کی ترویج اور بدعات کی تردید اور سنتوں کی اشاعت کا کام کیا ہے، ایک شاہ ولی اللہ صاحب کا خاندان دیکھ لیجئے کہ وہاں ایسی بیبیاں گزری ہیں کہ جنھوں

نے دہلی میں اور بعض مرتبہ دہلی کے باہر بھی ان کا فیض پہنچا اور کم سے کم یہ کیا کم بات تھی کہ ان کی آغوش تربیت میں، ان کی گود میں شاہ عبدالقادر پیدا ہوئے، شاہ رفیع الدین پیدا ہوئے، شاہ عبدالعزیز پیدا ہوئے، یہ کن کی گودوں میں پیدا ہوئے تھے اور پھر ہمارے یہاں اودھ میں دیکھئے یہاں کیسی کیسی بیبیاں پیدا ہوئیں، میں ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں کہ حضرت سید احمد شہید صاحبؒ رائے بریلی میں پیدا ہوئے وہاں کے خاندان میں ہی نہیں بلکہ ان کا فیض سارے ہندوستان میں پہنچا، ان کے ہاتھ پر ۲۵/۳۰/ ہزار آدمی مسلمان ہوئے اور ۳۰/ لاکھ کے قریب لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت اور توبہ کی، ان کے حالات میں لکھا ہوا ہے، دیکھنے اور سننے میں تو بہت معمولی بات معلوم ہوگی لیکن دیکھئے کس درجہ کی کتنی اونچی بات ہے کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ان کی والدہ صاحبہ نماز پڑھ رہی تھیں اور ان کی دائی بیٹھی تھیں کہ ایک دم سے کوئی آدمی گھر میں آیا اس آدمی نے کہا کہ دو فرقوں میں فساد ہوگیا اور لڑائی ہو رہی ہے اور آپ کو جہاد کے لیے دعوت دی، آپ تیار ہوگئے، ماشاء اللہ آپ جوان تھے اور بہت ورزشیں کئے ہوئے اور بڑے پھرتیلے تھے، دائی نے کہا نہیں نہیں، یہ نہیں جاسکتے، عمر بھی اس وقت شاید ۱۳/۱۴/ برس کی رہی ہوگی، والدہ خوب سمجھتی اور جانتی تھیں کہ وہاں جاکر شہادت کی خبر آسکتی ہے، ہم یہیں بیٹھے ہیں کہ معلوم ہوا کہ شہید ہوگئے یا زخمی ہوکر وہاں سے واپس لائے جاسکتے ہیں، تو دائی نے روک دیا اور صاحبہ نے جب سلام پھیرا حیرت کی بات ہے انہوں نے کہا بی بی تم نے کیوں روکا، تم نے اس سعادت سے کیوں محروم رکھا، ہمارے بیٹے کو جانے دینا چاہئے تھا، یہ جہاد کا معاملہ تھا، اب آپ بتائیے کہ کس درجہ کا کیسا یقین وایمان ہوگا اس خاتون کے اندر اور وہ علم دین سے کتنی واقف ہوں گی اور پھر کتنا اس کے اندر ایثار وقربانی کا جذبہ ہوگا کہ اپنے بیٹے کو اس خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار اور دائی جس کا ایک عارضی خادمانہ رشتہ ہوتا ہے وہ روکے مگر دودھ پلانے والی اور اس کو وجود میں لانے والی شفیق ماں کہے کہ نہیں، ان کو جانا چاہئے تھا، ایسی سیکڑوں ہزاروں مثالیں آپ کو ملیں گی، یہ سب کے بیان کرنے کا موقع نہیں، آپ کو بہت سے ایسے انشاء اللہ ملیں گے، علماء فضلاء اور دین کے داعی وخدمت کرنے والے کہ ان سے آپ اگر یہ پوچھیں کہ آپ کی یہ حالت کیسے ہوئی؟ آپ اس درجہ تک کیسے پہنچے؟ آپ کی سیرت کیسے بنی؟ تو ان میں سے بہت سے یہ کہیں گے کہ ہماری ماں نے ایسی ہی تربیت کی تھی اور امید ہے کہ اس مجمع میں بھی ایسے لوگ بیٹھے ہوں گے جو اپنی ماں کے ممنون احسان ہوں گے اور ہم شہادت دے سکتے ہیں کہ ہمیں ہماری ماں نے جھوٹ بولنے سے روکا، ہماری ماں نے ہم کو حق تلفی کرنے سے، کسی پر زیادتی کرنے سے، کسی پر ہاتھ بڑھانے سے روکا، ہم اپنی ماں کو دیکھتے تھے، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہے اور ہمیں یاد ہے کہ ہم نے اپنی والدہ صاحبہ کو تہجد پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، معلوم ہوا کہ نماز تہجد نہیں چھوٹتی ہے اور ہم فخریہ نہیں کہتے لیکن عرض کرتے ہیں کہ ہمارے بچپن میں ہمارے چھوٹے سے خاندان میں چار گھر رہے ہوں گے، تکیہ (آبائی وطن) پر یہ سوال کیا گیا کہ کیا عورتیں تراویح پڑھ سکتی ہیں؟ اور کیا عورتوں کی تراویح باجماعت ہوسکتی ہے؟ تو علماء فرنگی محل نے یہ فتوی دیا کہ اگر عورت امام ہو اور عورتیں ہی اس کی مقتدی ہوں تو جماعت کرنے میں کوئی حرج نہیں، چنانچہ ہماری والدہ صاحبہ مرحومہ اور ہماری خالہ زاد بہن اور ہماری پھوپھی یہ سب قرآن مجید پڑھتی تھیں اور تراویح میں ایک قرآن مجید ہمارے گھر میں ختم ہوجاتا۔

اس کے علاوہ عورتوں میں مصنفات گزری ہیں اور ایسی بڑی بڑی بعض مصنفات ہیں کہ ان کی کتابیں علمی خانے کی زینت ہیں اور بعض تو اس میں مردوں سے بھی بازی لے گئیں ہیں۔

اس ملک میں مسلمان بن کر رہنے کی آدھی ذمہ داری عورتوں پر ہے:

ہم صاف کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس ملک میں مسلمان بن کر رہنا، قرآن شریف پڑھنے کے قابل ہونا، اردو کتابوں سے فائدہ

اٹھانا، اسلامی شعائر و احکام سے واقف ہونا، اسلامی تہذیب اختیار کرنا اور اس پر قائم رہنا اور توحید کے عقیدے پر مضبوطی سے جمنا، اس میں آدھی سے زیادہ ذمہ داری ہماری بیبیوں اور عورتوں پر ہے۔

اللہ تعالی جزائے خیر دے ہماری دینی تعلیمی کونسل کو اور قاضی جلیل عباسی صاحب مرحوم کو اور ہمارے ڈاکٹر اشتیاق صاحب کو اوران کی عمر میں صحت میں ترقی ہو کہ انہوں نے یہ بات گھر گھر پہنچانے کی کوشش کی ہے کہ اس وقت کچھ کوشش کر لی جائے کہ ہمارے بچے قرآن مجید پڑھنے کے قابل بن جائیں، قرآن مجید تو عربی میں لکھا ہے اسے پڑھ سکیں اور اردو پڑھ سکیں، دینیات کی کتابوں سے فائدہ اٹھائیں اور شرک وتوحید کا فرق سمجھیں، سنت وبدعت کا فرق سمجھیں اور گناہوں کو سمجھیں کہ کون کون سی چیزیں گناہ ہیں۔

ہماری پڑھی لکھی بہنوں کی ذمہ داری:

اگر یہ نہ ہوا اور اس میں ہماری خواتین اور ہمارے گھر کی پڑھی لکھی دیندار بیبیوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور نہ ہی دلچسپی لی تو میں آپ سے صاف کہتا ہوں اور دل پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوں کہ اس ملک میں مسلمان کا مسلمان رہنا مشکل ہوگا بلکہ یہ ملک اسپین بن جائے گا اور آج بتاتا ہوں آپ کو کہ یہ نقشہ اور منصوبہ تیار ہے کہ اس ملک کو اسپین بنا دیا جائے اور اسپین کیا ہے بہت سی بڑی بڑی بیبیاں نہیں جانتی ہوں گی کہ اسپین یورپ کا ایک ایسا ٹکڑا تھا جو کہ خالصۃ مسلمان ملک ہو گیا تھا وہاں بڑی اسلامی شان وشوکت کی سلطنتیں قائم ہوئیں اور وہاں بڑے بڑے اولیاء اللہ پیدا ہوئے، شیخ اکبر کہ جن کا نام ہر شخص کی زبان پر ہے یہ وہیں کے رہنے والے تھے، مالکی مذہب کا ایک مسئلہ ہے کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مدینہ میں ایسا ہوا کرتا تھا تو اب کسی دلیل کی ضرورت نہیں، ان کا عمل حجت اور دلیل ہے۔

تاریخ میں لکھا ہے ایک زمانہ ایسا تھا کہ مالکیوں میں ایک یہ اصول بھی تھا کہ اہل قرطبہ کا عمل حجت ہے، اہل قرطبہ ایسا کرتے ہیں اس کی اہمیت ایسی ہے کہ قرطبہ کے متعلق یہ کہہ دینا کافی تھا کہ وہاں ایسا ہوتا ہے، وہ اسپین کہ جہاں اولیاء اللہ پیدا ہوئے، چوٹی کے علماء، مؤطا کے شارحین پیدا ہوئے اور بڑے بڑے مجاہدین پیدا ہوئے اور پورے اسپین پر اسلامی حکومت تھی اور جامع قرطبہ اور جامعہ اشبیلیہ اور جامع غرناطہ کیسی کیسی مسجدیں ہیں جن کی مثالیں ملنی مشکل ہے۔

اس ملک کو وہاں کے غیر مسلم باشندوں نے منصوبہ بنا کر اور اس میں کچھ ہمارے مسلمانوں کی کوتاہی تھی انہوں نے ان کو مانوس نہیں کیا تھا اس طرح وہاں غیر مسلموں نے اسلام کو خارج کر دیا، جو بچے کھچے تھے وہ غرناطہ سے مراکش پہنچ گئے اور آج پورا اسپین خالی ہے نہ کہیں سے اذان کی آواز آتی ہے اور نہ کہیں کوئی مدرسہ ہے۔

ویسے لوگوں نے کہا ہے کہ ہم نے فضا سے آوازیں سنی ہیں اذان کی، قرآن کی مگر یہ نہیں پتہ چلتا ہے کہ کہاں سے آوازیں آرہی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ روحانی فضا سے آوازیں آرہی ہیں کہ کچھ اللہ کے مقبول بندوں نے قرآن پڑھا تھا، اللہ کے بندے جب ریکارڈ کر سکتے ہیں تو اللہ کیوں نہیں کر سکتا ہے تو اللہ نے اس کو ریکارڈ رکھا ہے اور ان کی آوازیں سب سن رہے ہیں اور آپ سے کہتے ہیں کہ آج ساری کوشش جو ہو رہی ہے یہ ندوۃ العلماء ہو یا جو بھی ہمارا خاص مدرسہ اور ادارہ یا دارالعلوم دیوبند ہو یا جامعہ ملیہ ہو یا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہو اور بھی کوئی بڑا مدرسہ یا کالج ہو، یونیورسٹی ہو وہ کامیاب نہیں ہو سکتے، مسلمان آئندہ مسلمان نسل کو مسلمان رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک ہمارے گھر کی مستورات، بیگمات، ہماری مائیں اور بہنیں اس کا ارادہ نہ کر لیں اور یہ طے نہ کر لیں کہ ہم اپنے بچوں کو دین سے واقف کرائیں گے، پرائمری اسکول میں جانا ضروری ہے جائیں لیکن ہم مغرب بعد انتظام کریں گے، کس کو بلائیں گے یا صبح جانے سے پہلے کوئی انتظام کریں گے، ان کو اردو پڑھائیے ان کو اردو لکھنے کی مشق کرائیے، ان کا کلمہ سن لیجئے یہ معلوم کر لیجئے کہ اتنی سورتیں ان کو یاد ہیں کہ نماز میں پڑھ سکیں؟۔

ہماری مستورات نے توجہ نہ کی تو ملک خطرہ میں ہے:

اگر اس کی طرف ہماری مستورات نے توجہ نہ کی تو یہ ملک خطرہ میں

ہے، بس اس جلسہ کا ہم بھی بڑا فائدہ سمجھتے ہیں، اصل بات جو یہاں کہنے کی ہے اور میں اسے امانت کے طور پر چھوڑ کر جاتا ہوں وہ یہ ہے کہ اپنے بچوں کی خود فکر کیجئے، اپنے ہی گھروں کی نہیں بلکہ اپنے محلے اور بہنوں، سہیلیوں اور رشتہ داروں، بیبیوں کو بھی توجہ دلایئے کہ دیکھو بی بی، دیکھو بہن، اپنے بچے کو جہاں چاہو بھیجو لیکن اس کو اللہ کا نام سکھادو کہ اللہ ایک ہے، وحدہ لاشریک ہے اور اللہ کے پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر تھے، ورنہ آج تو ایسی ترکیبیں کی جاتی ہیں کہ اگر تمہاری کوئی چیز گم ہوجائے یا کوئی کام ہو، یا تکلیف ہو، تو راستہ میں مندر آئے گا اس سے گزرتے ہوئے اس سے مانگ لینا اور یہاں تک سازشیں ہوتی ہیں کہ اسکول یا کالج میں کوئی چیز چھپادی جاتی ہے، اور ایک طالب علم دوسرے طالب سے کہتا ہے کہ میری کاپی یا میری کتاب کہاں ہے؟ تو دوسرا طالب علم کہتا ہے کہ رام کا نام لو تو تمہاری کاپی مل جائے گی، تو اس نے جب رام کا نام لیا تو اس نے چپکے سے نکال کر سامنے کردیا، اس طرح اس کے دل میں یہ عقیدہ ڈال دیا جاتا ہے کہ رام کا نام لینے سے مسئلہ حل ہوتا ہے، کام ہوجاتا ہے، کھوئی ہوئی چیز مل جاتی ہے، یہ بڑی گہری اور بڑی وسیع سازش چل رہی ہے۔

ہندوستان کے اندر جو اولیاء اللہ کی سرزمین ہے، یہ مجاہدین کی سرزمین ہے، مجددین کی سرزمین ہے، جہاں پر مجدد الف ثانی پیدا ہوئے یا خواجہ معین الدین چشتی تشریف آئے، یا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جیسا امام وقت پیدا ہوا، جہاں مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا محمد علی مونگیریؒ اور کیسے کیسے عالم، کیسے کیسے فاضل پیدا ہوئے، مگر اس ملک کے بارے میں یہ نقشہ بنایا جارہا ہے، بلکہ نقشہ بنا ہوا موجود ہے، نام تھوڑے دن مسلمان رہے، باقی کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہئے، آئندہ نسل جو ہو اس کو بالکل اسلام سے ناواقف کردیا جائے، چاہے منکر نہ بنیں لیکن اسلام سے ان کو ناواقف کردیا جائے، بس یہ پیغام لے کر جایئے کہ اپنے گھروں میں پہلے اور پھر محلّہ میں اور پھر برادری میں کہیں اگر شادی بیاہ میں جانا ہو تو وہاں کہیں، تقریب ہو تو وہاں جاکر کہیئے وہاں بھی توجہ دلایئے کہ ماؤں، بہنوں، بیبیوں سن لو! اپنے بچوں کو مسلمان بناؤ، مسلمان رکھو اور اردو پڑھنا لکھنا سکھاؤ، قرآن مجید پڑھنے کے قابل بناؤ، توحید ان کے دل میں بٹھاؤ، شرک وبدعت سے، بت پرستی سے ان سب چیزوں سے روکو، اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کو توفیق دے اگر یہ کام ہوگیا تو اس میں بہت کچھ ضمانت ہے اسلام کے بقا کی اور تحفظ کی، ورنہ محض خارجی اور تنظیمی کوششیں اور محض اخبارات ورسائل اور محض کانفرنسیں یہ مفید ہوں، لیکن کافی نہیں ہیں۔ ❁❁❁

مختصر احوال وکوائف مدرسہ انوار القرآن نعمت پور، سہارنپور (یوپی)

سن قیام: یکم شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۴۶ء، **بانئ مدرسہ:** حضرت حافظ القاری عبدالرحیم صاحبؒ ہم سبق حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ، **کل طلبہ وطالبات:** 655 **مدرسین وملازمین:** 30 **نصاب تعلیم:** قرآن کریم حفظ وناظرہ مع قواعد تجوید واجراء، عربی سال چہارم عصری تعلیم اور ہندی، انگلش درجہ پانچ تک مثالی ہورہی ہے، **فارغین امسال:** 77 **جملہ فیض یافتگان:** 7125 **مسجد اور کمرے:** 52 **کتابیں:** 10,000 **شعبہ جارت مدرسہ:** 11 **بجٹ سال رواں:** چالیس 40 لاکھ روپئے اور سات 700 سو کوئنٹل اجناس۔ **اکاؤنٹ نمبر P.N.B.A/C.N** کی برانچ برولی Baroli سہارنپور میں **372400100002706** ہے۔

حضرات گرامی: رواں سال میں آمدنی کم ہونے نیز حالیہ ہوشربا گرانی کے باعث مدرسہ پر نو لاکھ (۹،۰۰،۰۰۰) روپئے کا قرض کا بھاری بوجھ ہے، علاوہ ازیں مسجد کی تعمیر تکمیل ہنوز باقی ہے، **حال میں غلہ کا اسٹاک بھی ختم ہے، خریداری بھی قرض پر ہورہی ہے**، مدرسہ کی دیگر اہم اہم ضروریات بھی درپیش ہیں، اس لیے اصحاب خیر احباب نقد وجنس اور دیگر اشیاء ضروریہ بالخصوص مالی تعاون چیک ڈرافٹ، انشورڈ، منی آڈر وغیرہ کے ذریعہ دستی یا ڈاک سے زکوۃ صدقات تعمیرات وعطیات وغیرہ مدات سے وافر مقدار میں عنایت فرماکر عنداللہ ماجور ومثاب ہوں۔

چیک یا ڈرافٹ پر ”مدرسہ انوار القرآن نعمت پور“ لکھیں، مزید معلومات کے لیے سالانہ روداد طلب فرمائیں، خدائے رحمٰن اپنے خاص لطف وکرم سے مدد کرنے والوں کی ہر امر خیر میں مدد فرمائے۔ آمین

المشتہر: عبدالغفور ناظم مدرسہ انوار القرآن نعمت پور ضلع سہارنپور ۲۴۷۱۲۹ یوپی، الہند

MADRSA ANWARUL QURAN NIMATPUR

DISST. Saharanpur 247129 U.P. INDIA.TEL.0132-2775516 Mob.09411293474

اشتہار

تجزیہ

پہلی قسط

ہندوپاک کے
فقہی مکاتب فکراور اسلامی فرقے

مولانا سید محمد عبدالرشید ندوی منیجر ندوہ کمپیوٹر سینٹر لکھنؤ

فقھی مسالک اوردینی جماعتوں میں فرق:

پہلی صدی ہجری ہی میں مسلمان دوفرقوں میں تقسیم ہوگئے ، ایک طبقہ اہل سنت والجماعت یعنی سنی کہلایا، دوسرا طبقہ اہل تشیع یعنی شیعہ کہلایا، پھرآ گے چل کر اہل سنت والجماعت فقہی اعتبار سے پانچ مکتب فکر یا مسلک میں بٹ گئے ،حنفی ، مالکی ، شافعی ،حنبلی اور اہل حدیث، ان پانچوں مسلک کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ یہ تمام مسالک قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں اورحق پر ہیں، جوشخص ان میں سے کسی پر بھی عمل کرلے گا وہ انشاءاللہ آخرت میں کامیاب وکامراں ہوگا ،اس کے علاوہ باقی دینی فرقے یا جماعتیں یا تو گمراہ ہیں یا پھر اسلام سے خارج ہیں، چنانچہ ساری دنیا میں یہی پانچ مسلک رائج ہیں۔

براعظم ایشیاء کے اکثر حصے میں امام ابوحنیفہ کے مسلک پر، براعظم افریقہ کے اکثر حصے میں امام مالک کے مسلک پر انڈونیشیا اورایشیاء کے جنوبی جزائر میں امام شافعی کے مسلک پر اور سعودی عرب میں امام احمد بن حنبل کے مسلک پر عمل ہوتا ہے، مسلک اہل حدیث پر عمل کرنے والے لوگ ہر ملک میں کچھ نہ کچھ موجود ہیں، ان مسالک کے حامی علماء نہ تو ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور نہ ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں بلکہ دوسرے مسلک والوں کو بھی حق پر سمجھتے ہیں، البتہ اپنے مسلک کو دوسرے سے بہتر سمجھتے ہیں، ان پانچوں مسلکوں میں جو اختلاف ہے وہ صرف قرآن وحدیث کو سمجھنے اوران سے مسائل کا استنباط واستخراج کرنے میں ہے۔

ھندوپاک میں حنفی مسلک کی آمدوترقی :

شمالی ہندوستان میں حنفی مسلک پہلی صدی ہجری میں اسلامی فتوحات کے ساتھ آیا ، البتہ جنوبی ہندوستان خصوصاً مدراس، ملیبار اورکوکن میں شافعی مسلک مختلف عرب تاجروں کے ذریعہ آیا، علماء احناف نے علم فقہ اوراصول فقہ پر بڑی محنت کی، اس لیے حنفی مسلک جنوبی ہندوستان کے علاوہ سارے ہندوستان میں پھیل گیا، البتہ سندھ میں ابتدائی چارصدیوں تک علم حدیث پھیلتا اور ترقی کرتا رہا اور ثقافتی وتمدنی اعتبار سے سندھ اسلام کے قلعوں میں سے ایک قلعہ بن گیا۔

چوتھی صدی ہجری کے بعد یہاں بھی علم حدیث عنقاء ہوگیا ، یہ وہ دور تھا جب سندھ سے عربوں کی حکمرانی ختم ہوگئی اور غزنویوں پھر غوریوں کی حکومت ہوگئی ، یہ حال دسویں صدی ہجری تک رہا، احناف فقہ واصول فقہ تک محدود ہوکر رہ گئے ، وہ بھی تقلیداً نہ کہ تحقیقاً ،حنفی مسلک کے لیے تعصب اور تنگ نظری بڑھ گئی یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی پر سب سے زیادہ شروح وحواشی لکھے گئے نصوص ومحکمات کوچھوڑ کر فتاوی اورروایات پر انحصار کرلیا گیا، مسائل واجتہادات کو احادیث سے تطبیق دینا چھوڑ دیا گیا، یہی حال سارے ہندوستان کا رہا ، یہاں تک کہ مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے گیارہویں صدی ہجری میں حدیث اورعلم حدیث کوتعلیم وتدریس اورتصنیف وتالیف کے ذریعہ ہندوستان میں دوبارہ متعارف کرایا، پھر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اوران کے تینوں صاحبزادے شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین کا دور آیا، ان حضرات کی وجہ سے ہندوستان میں دوبارہ حدیث اورعلم حدیث کا احیاء ہوا اور مذہبی تعصب آہستہ آہستہ ختم ہونے لگا اور لوگ ذہنی طور پر مذہبی تقلید اور جمود سے آزاد ہونے لگے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی آراء وافکار سے اکثر علماء براہ راست یا بالواسطہ متأثر ہوئے، اجتہاد وتقلید کے سلسلہ میں شاہ صاحب کے جونظریات وافکار تھے ان کے بالواسطہ مختلف علماء نے مختلف انداز سے سمجھا اور اختیار کیا، پھر آگے چل کر بعض علماء نے اپنی سمجھ اور فہم کے مطابق اور مغربی علوم وافکار سے متاثر ہو کر کچھ نئے نظریات پیش کئے، پھر ان ہی نظریات کی بناء پر کچھ نئے فرقوں کی بنیاد پڑی جن میں سے بعض تو گمراہ ہیں اور بعض خارج از اسلام، ان فرقوں کی وجہ سے ہندوستانی معاشرہ اور صحیح اسلامی فکر پر مضر اثرات پڑے۔

شاہ صاحب نے اجتہاد کے موضوع پر ایک رسالہ "عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید" کے نام سے تحریر کیا، جس میں علماء کے لیے تقلید کو حرام قرار دیا ہے اور عوام الناس کے لیے تقلید کو لازمی قرار دیا ہے، آپ اصولی طور پر حنفی المسلک تھے لیکن ہر مسئلہ میں تحقیق وجستجو کے بعد ہی امام صاب کا مسلک اختیار کرتے تھے، اگر تحقیق کسی اور امام کے مسلک کو درست ثابت کرتی تھی تو امام ابوحنیفہ کا مسلک چھوڑ دوسرے امام کا مسلک اختیار کر لیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب کا عمل مختلف مسالک پر ملتا ہے، آپ نے اندھی تقلید اور وراثتی تعصب پر محض تنقید ہی نہیں بلکہ اپنے بعد آنے والوں کے لیے تحقیق وجستجو کی راہ بھی متعین کی اور شرعی مسائل کو کتاب وسنت کے دلائل وبراہین سے آراستہ کرنے کی بناء ڈالی۔

جو علماء شاہ صاحب کے نظریات وافکار سے متاثر ہوئے وہ اولاً دو بڑے طبقوں میں تقسیم ہو گئے، پہلا طبقہ وہ ہے جس نے چاروں ائمہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کو ضروری قرار دیا، اس طبقہ میں علماء احناف پیش پیش رہے، دوسرے طبقہ نے کسی بھی امام کی تقلید کو ناجائز قرار دیا یہ طبقہ ''اہل حدیث'' یا سلفی کہلایا۔

ہندوپاک میں چونکہ حنفی مسلک مقبول ورائج ہے اور اس پر سب سے زیادہ کام بھی ہوا ہے اس لئے تقلید کے مسلک کی حمایت کے لیے علماء احناف ہی آگے آئے، جن کے سرخیل مولانا عبدالعلی بن نظام الدین اور مولانا عبدالحیٔ بن عبدالعلیم لکھنوی ہیں، ان دونوں حضرات کے بعد یہ ذمہ داری علماء دارالعلوم دیوبند نے سنبھال لی، ۱۸٦۷ء مطابق ۱۲۸۳ھ میں جو عالم وجود میں آیا ہندوپاک میں آج بھی یہ خدمت دارالعلوم دیوبند اور فکری طور پر اس سے متعلق ادارے مثلاً دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم کورنگی کراچی، جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی، دارالعلوم اکوڑہ خٹک وغیرہ انجام دے رہے ہیں، جن کا منبع اصلاً فکر ولی اللہی ہی ہے۔

علماء اہل حدیث کے سرخیل شیخ فاخر بن یحییٰ عباسی، شیخ نذیر حسین محدث دہلوی اور نواب صدیق حسن قنوجی ہیں، ان حضرات کے نزدیک کسی امام کی تقلید کسی حال میں جائز نہیں، بلکہ راہ راست قرآن وحدیث سے مسائل اخذ کر کے اس پر عمل کرنا ضروری ہے، موجودہ دور میں یہ ذمہ داری ہندوستان میں ''جمعیت اہل حدیث'' دہلی اور دیگر ادارے، پاکستان میں'' جمعیت اہل حدیث'' لاہور اور دوسرے ادارے انجام دے رہے ہیں۔

البتہ یہ الگ ایک سوالیہ نشان ہے کہ جب اہل حدیث مستقل ایک مکتب فکر یا مسلک بن گیا اور اس کو اختیار کرنے والے عالم بھی ہیں اور جاہل بھی، تو پھر ان کے جاہل بغیر قرآن واحادیث پڑھے ان پر کیسے عمل کرتے ہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ان کے جاہل بھی اپنے علماء سے مسائل معلوم کرتے ہیں اور پھر ان ہی کے بتائے ہوئے مسائل پر عمل کرتے ہیں، کیا یہ تقلید نہیں ہے؟

کیا صرف ائمہ اربعہ کے قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائے ہوئے مسائل پر عمل کرنا ہی تقلید ہے اور اہل حدیث علماء کے بتائے ہوئے مسائل پر عمل کرنا تقلید نہیں ہے، یا پھر مسلک ''اہل حدیث'' سے وابستہ سارے ہی لوگ عالم ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ مسلک ''اہل حدیث'' پر عمل کرنے والوں کی اکثریت بھی دوسرے مسالک پر عمل کرنے والوں کی طرح جاہل ہی ہے عالم نہیں، بہر حال یہی پانچوں مسلک حق پر ہیں، ان کے علاوہ باقی تمام مسلک، جماعتیں، فرقے

گمراہ ہیں یا اسلام سے خارج ہیں۔

احناف اوراھل حدیث:

ہندو پاک کے تمام سنی مسلمان فقہی اعتبار سے دو مسلکوں پر عمل پیرا ہیں، اکثریت مسلک حنفی پر عمل کرتی ہے اور اقلیت مسلک اہل حدیث پر عمل کرتی ہے، احناف اور اہل حدیث کے عقائد تقریباً ایک ہی ہیں، البتہ دونوں میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ اہل حدیث علماء کے نزدیک عقائد میں ضرورت سے زیادہ سختی ہے اور علماء احناف کے یہاں ضرورت سے زیادہ نرمی ہے، اسی نرمی اور لچک کی بنا پر جناب احمد رضا صاحب نے فائدہ اٹھایا اور انگریزوں کا آلہ کار بن کر تاویلات کے ذریعہ بدعات کا دروازہ کھولا اور اسلامی توحید پر شب خون مارا، مزید یہ کہ عوام کی جہالت نے بریلوی جماعت کو تیزی سے پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کیا۔

اہل حدیث علماء تصوف کے سخت مخالف ہیں اور احناف تصوف کے قائل ہیں اور اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اسلام کو جتنا نقصان مروجہ تصوف یا پیری مریدی سے پہنچا ہے اور آج بھی پہنچ رہا ہے اتنا دشمنوں سے بھی نہیں پہنچا، بے علم، بے عمل اور دنیادار صوفیاء جس طرح طریقت کی آڑ میں شریعت کو معطل کرتے رہے اور اسلامی عقائد میں شرکیہ عقائد کی آمیزش کرتے رہے وہ صاحب علم حضرات سے مخفی نہیں ہے۔

ہندو پاک کی تمام دینی جماعتیں، تحریکیں اور ادارے مثلاً دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی، بریلوی جماعت وغیرہ یہ سب فقہی اعتبار سے حنفی مسلک سے وابستہ ہیں گو کہ ان کے درمیان آپس میں کچھ فروعی اختلافات ہیں، البتہ بریلوی جماعت کے علماء کچھ ایسے عقیدوں پر یقین رکھتے ہیں جو قرآن وحدیث کے مخالف ہیں، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اولیاء ہر جگہ حاضر وناظر ہیں اور اگر ان کو کوئی مدد کے لیے پکارے تو وہ مرنے کے باوجود مدد کے لیے آتے ہیں، جو کھلا ہوا شرک ہے، اس لیے حنفی ہونے کے باوجود یہ لوگ دوسرے تمام حنفیوں سے جدا ہوجاتے ہیں۔

عقائد علماء احناف واھل حدیث:

علماء احناف واہل حدیث کے عقائد مندرجہ ذیل:

۱-اللہ تعالی کے وحدانیت کے قائل ہیں، اس کے علاوہ کسی کو عبادت کے لائق اور اس کا شریک نہیں سمجھتے ہیں۔

۲-اللہ کے سوا کسی اور کو حاضر وناظر اور عالم الغیب تسلیم نہیں کرتے۔

۳- تمام انبیاء پر اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت اور نبی آخر ہونے پر یقین رکھتے ہیں اور آپ پر کثرت سے درود بھیجنے کو عین ثواب سمجھتے ہیں، البتہ آپ کو عالم الغیب نہیں سمجھتے۔

۴-انبیاء کرام کی عصمت اور ان کی عبودیت وبشریت کے قائل ہیں۔

۵-قبر میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی دنیاوی زندگی کے بجائے برزخی زندگی کے قائل ہیں جس کی کیفیت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔

۶-انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی عظمت وبزرگی کے قائل ہیں لیکن ان سے اپنی حاجت طلب کرنے اور ان کو دنیا میں متصرف ماننے کو شرک سمجھتے ہیں۔

۷-ہر ایسے عقیدے اور رسم ورواج کے خلاف ہیں جو توحید کے تصور پر اثر انداز ہوتا ہو۔

۸-دین میں غلو اور انتہا پسندی کے بجائے اعتدال کے قائل ہیں اور مسلمانوں کی تکفیر سے اجتناب واحتیاط لازم سمجھتے ہیں۔

۹-مروجہ مجالس میلاد اور عرس وقوالی فاتحہ، تیجہ، دسواں، چالیسواں، برسی وغیرہ کو بدعت سمجھتے ہیں۔ ❁❁❁

۱-زندگی ایک ہیرا ہے جسے تراشنا انسان کا کام ہے۔
۲-دوسروں کے سہارے جینے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے
۳-اپنی خاموں کا احساس ہی کامیابی کی کنجی ہے۔

پیش کردہ: قاری محمد منصور مرکز احیاء الفکر الاسلامی

سیرت نبوی

سیرتِ نبوی کا تربیتی پہلو

مولانا ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی بھٹکلی

اللہ تبارک وتعالی نے انسانوں کو پیدا فرمایا اور ان کی ہدایت ورہنمائی کے لیے انبیاء اور رسولوں کو مبعوث فرمایا، سب سے اخیر میں ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل دین اسلام دے کر بھیجا، اس دین میں ہر میدان کی رہنمائیاں موجود ہیں اور اسلام ہر موضوع کو شامل ضابطۂ حیات ہے، اسلام نے یہ بات بتائی ہے کہ انسان مہد یعنی ماں کی گود سے لحد یعنی موت تک طالب علم رہتا ہے اور پیدائش سے لے کر موت تک اس کی تربیت ہوتی رہتی ہے۔

تربیت ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے کوئی بھی چیز اپنے کمال تک پہنچتی ہے، محدثین کے قول کے مطابق تربیت یہ ہے کہ مشق کے ذریعے نفسیاتی وظائف کو بڑھایا جائے، یہاں تک کہ وہ آہستہ آہستہ اپنے کمال کو پہنچ جائے۔

انسان کی تربیت کی ابتدا اس کی ولادت سے شروع ہوتی ہے اور موت پر ختم ہوتی ہے۔

تربیت فطرت کے اعتبار سے انسانی، نفاذ کے اعتبار سے ذاتی اور شمولیت کے اعتبار سے معاشرتی کام ہے، وہ زندگی گذارنے کا طریقہ ہے یا خود زندگی ہے، آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک انسان اپنے بچوں اور نوخیز اولاد کی تربیت کا کام انجام دے رہا ہے تاکہ موجودہ زمانہ میں ان کی صحیح نشوونما اور ان کی روحانی، جسمانی، جذباتی اور عملی ضروریات کی تکمیل میں تعاون کیا جائے اور روشن مستقبل کے لیے ان کو تیار کیا جائے۔

تربیت ایک ضرورت ہے اور اس ضرورت کی تکمیل ضروری ہے، کیوں کہ اسی کے ذریعے ایک جسمانی ڈھانچے کو ممتاز شخصیت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

اسلامی تربیتی نظام کی مثال کسی بھی تربیتی نظام میں ملتی ہے اور نہ کسی دین میں اور نہ کسی حکومت میں ایسی تربیت کا ادنی نمونہ بھی ملتا ہے، سیرت نبوی کے مطالعے کی روشنی میں اسلامی تربیت کی بہت سی خصوصیات ہیں اور اسلامی تربیت مندرجہ ذیل سبھی شعبوں کو شامل ہے:

- انسانی تربیت
- کامل تربیت
- حقیقی تربیت
- عملی تربیت
- مسلسل تربیت
- بتدریج تربیت
- اخلاقی تربیت
- انسانی ضمیر کی تربیت

یہ ایسی تربیت ہیں جس سے حسن وجمال کا ذوق حاصل ہوتا ہے، حدیث میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ انصار کا ایک نوجوان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے زنا کرنے کی اجازت دیجئے؟! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے قریب آؤ! وہ نوجوان آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوا اور گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم اپنی ماں کے لیے یہ پسند کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا نہیں! اے اللہ کے رسول میں تم پر قربان، پھر آپ نے فرمایا: کیا تم اپنی بہن کے لیے یہ پسند کرتے ہو؟۔

اس حدیث میں بہت سے تربیتی پہلو ہیں، ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱- غلطی کے علاج اور تدارک کے لیے گفتگو اور تبادلہ خیال کا اصول اپنایا جائے، صرف دھمکی اور وعدو وعید یا احکامات دینے پر اکتفانہ کیا جائے، اس لیے کہ انصاری نوجوان کو معلوم تھا کہ زنا حرام ہے، ورنہ وہ نبی سے زنا کی اجازت ہی نہیں مانگتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

گفتگو کے ذریعہ اس نوجوان کو احساس دلایا کہ یہ کام برا ہے۔

۲-غلطی کا بتنگڑ نہ بنایا جائے اور غلطی ہونے کی صورت میں نفس پر کنٹرول کیا جائے، غلطی کرنے والے کی ڈانٹ ڈپٹ نہ کی جائے، اس کے سوال کو معمولی نہ سمجھا جائے؛ بلکہ محبت اور اطمینان سے اس کو احساس دلایا جائے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو اپنے قریب آنے کا حکم دیا۔

۳-غلطی کے بارے میں مناقشہ اور گفتگو کرنے کے ساتھ ساتھ جسمانی تواصل کی بھی کوشش کی جائے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان کو اپنے قریب ہونے کو کہا تاکہ اس کو سکون واطمینان کا احساس ہو، گفتگو کے بعد جب آپ نے اس کے سینہ پر ہاتھ پھیر کر اس کے لیے دعا کی کہ اے اللہ! اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما، چھونے کی شفقت کی وجہ سے نوجوان کا دل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مائل ہوا، آپ نے اس کے لیے دعا کی تاکہ اس حد تک پہونچے ہوئے اندرونی جذبہ کی گرمی ختم ہو۔

ایک مرتبہ ایک دیہاتی بدو آپ کی مسجد نبوی میں آیا اور مسجد میں ہی پیشاب کرنے لگا، یہ دیکھ کر آپ کے صحابہ اس کو مارنے کے لیے دوڑے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور ان سے کہا کہ پیشاب پر ایک ڈول پانی ڈال دو، پھر اس دیہاتی سے مخاطب ہو کر فرمایا: مسجدیں نماز اور عبادت کی جگہیں ہیں، یہاں پیشاب وغیرہ نہیں کیا جاتا۔

آپ تربیت میں ہر وقت نرم پہلو اختیار کرتے تھے، بے جا سختی آپ کے نزدیک ناپسندیدہ چیز تھی، آپ کسی کا نام لے کر غلطی کی اصلاح نہیں کرتے تھے، بلکہ یہ کہا کرتے تھے: "ما بال أقوام یفعلون کذا و کذا" لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ ایسا ایسا کام کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی تربیت پر بھی بڑی توجہ دی ہے، چوں کہ اولاد کی تربیت کا سب سے اہم مرحلہ بچپن کا ہوتا ہے، اس لیے احادیث نبویہ میں اولاد کی تربیت کے سلسلے میں واضح تعلیمات ملتی ہیں اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نمونے بھی ملتے ہیں۔

خصوصاً احادیث میں لڑکیوں کی تربیت کرنے کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں، میں یہاں صرف دو احادیث پر اکتفا کرتا ہوں:

۱-آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من کان لہ ثلاث بنات کن لہ ستراً من النار" جس کی تین لڑکیاں ہوں گی وہ اس شخص کے لیے جہنم سے آڑ بنیں گی۔

۲-آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ عَالَ جَارِیَتَیْنِ حَتّٰی تُدْرِکَا کُنْتُ أَنَا وَهُوَ فِی الْجَنَّةِ کَهَاتَیْنِ وَأَشَارَإِلیٰ إِصْبَعَیْهِ السَّبَابَةِ وَالْوُسْطیٰ" جو دو لڑکیوں کی شادی ہونے تک کفالت کرے گا وہ اور میں جنت میں اس طرح رہیں گے، یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں شہادت کی انگلی اور اس سے متصل والی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔

سلف صالحین میں کسی کا قول ہے: "لڑکیاں نیکیاں ہیں اور لڑکے نعمت، نیکیوں کا اچھا بدلہ ملے گا اور نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر مارو"۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک صحابی جن کی عمر ابھی کم تھی کھا رہے تھے، کھانے کے دوران ان صحابی کا ہاتھ پلیٹ میں ادھر ادھر گھوم رہا تھا، یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیار بھرے انداز میں فرمایا: "اپنے سامنے سے کھاؤ، کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھو"۔

اسلامی تربیت سے اپنی قوم، وطن، معاشرے اور گھر کے لیے ایک صالح اور مصلح انسان تیار ہوتا ہے، یہ خصوصیات صرف اسلامی تربیت کی ہیں، جن میں کسی دوسرے دین یا کسی دوسرے نظامِ حیات یا کسی حکومت کے قانون ودستور کا کوئی مقابلہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ وہ ہمیں دین اسلام کے ہر شعبے میں رہنمائی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور امت مسلمہ کی صحیح نہج پر تربیت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مسائل وفقہ

دسویں قسط

امامت کے مسائل اور احکام

محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی

مقتدی کا امام کی متابعت کرنا:

افعال نماز میں مقتدی کے لیے امام کی متابعت کی تین شکلیں ہیں:

(۱) مقارنہ (۲) تعقیب (۳) تراخی

۱- مقارنہ یہ ہے کہ مقتدی امام کی اتباع ایک ساتھ اس طرح کرے کہ امام تحریمہ باندھے تو وہ بھی تحریمہ باندھے، امام رکوع کرے تو وہ بھی رکوع کرے، امام سلام پھیرے تو وہ بھی سلام پھیرے، اگر کوئی شخص امام سے قبل رکوع میں چلا گیا اور اپنی اسی حالت میں رہا یہاں تک کہ امام نے رکوع کیا، تو اس نے اب امام کی متابعت کی تو وہ امام کے ساتھ رکوع کرنے والا ہے اور یہ صورت مقارنہ ہی کی کہلائے گی۔

۲- تعقیب یہ ہے کہ مقتدی امام کے فعل کے بعد اس فعل کی اتباع کرے، اس طور پر کہ امام کے فعل کے معاً بعد وہ فعل کرے اور پھر اس کے باقی عمل میں تسلسل سے شریک رہے۔

۳- تراخی یہ ہے کہ مقتدی امام کے ایک رکن ادا کرنے کے بعد وہ رکن ادا کرے لیکن امام کے دوسرے رکن میں جانے سے قبل اس رکن سے فارغ ہوکر امام کے دوسرے رکن میں شریک ہوجائے۔

یہ تینوں شکلیں کہ امام کی اتباع بالکل ساتھ ساتھ کی جائے، یا تھوڑی تاخیر سے کی جائے، یا بالکل امام کے بعد ہی کی جائے، اتباع امام میں شامل ہیں اور ان تینوں صورتوں میں امام کی اتباع ہو جائے گی، اتباع کی یہی صورتیں فرض میں فرض، واجب میں واجب اور سنت میں سنت ہیں، اور اگر رکوع میں متابعت چھوڑ دی جائے جیسے اس نے رکوع کیا، پھر اس نے امام کے رکوع سے پہلے اپنا سر اٹھالیا اور امام کے ساتھ یا اس کے بعد نئی رکعت میں رکوع نہیں کیا، تو اس کی نماز باطل ہوگئی، اس لیے کہ اس نے فرض میں متابعت نہیں کی ہے، اسی طرح امام سے قبل رکوع، سجدہ کرلے تو وہ رکعت جس میں ایسا کیا ہے لغو ہو جائے گی، اور اس کے بعد جو کچھ وہ دوسری رکعت میں کرے گا وہ پہلی رکعت میں منتقل ہوجائے گا، جو تیسری رکعت میں کرے گا وہ دوسری میں منتقل ہوجائے گا اور جو چوتھی میں کرے گا وہ تیسری میں منتقل ہوجائے گا، لہٰذا اس کی ایک رکعت باقی رہے گی، امام کے سلام کے بعد اس کی قضاء واجب ہوجائے گی، ورنہ اس کی نماز باطل ہوجائے گی، اور اگر وہ دعاء قنوت میں اتباع چھوڑ دے تو گنہ گار ہوگا، اس لیے کہ اس نے واجب کو ترک کیا ہے اور اگر اس نے رکوع وسجود کی تسبیحات میں متابعت کو ترک کیا ہے، تو وہ سنت کو چھوڑنے والا ہے۔

چار چیزوں میں مقتدی کو امام کی اتباع کرنا لازم نہیں ہے:

(۱) جب امام نماز میں عمداً ایک سجدہ زائد کرے تو اس کی اتباع ضروری نہیں ہے۔

(۲) تکبیرات عیدین جو صحابہ کرام سے ثابت ہیں ان سے زیادہ تکبیر کہے تو اتباع ضروری نہیں ہے۔

(۳) نماز جنازہ میں چار تکبیروں سے زیادہ پانچ تکبیر کہے تو اس کی اتباع ضروری نہیں ہے۔

(۴) فرض نماز میں قعدہ اخیرہ کے بعد بھول کر زائد رکعت کے لیے کھڑا ہوجائے، اگر وہ ایسا کرے اور اس رکعت کو سجدہ سے مقید کرے، تو مقتدی تنہا سلام پھیر دے، اور اگر اس کو سجدہ سے مقید نہ

کرے اور قیام سے قعدہ اخیرہ کی طرف لوٹ آئے تو جب وہ سلام پھیرے تو مقتدی بھی اس کے ساتھ سلام پھیر دے اور اگر امام قعدہ اخیرہ سے پہلے ہی زائد رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے اور اس رکعت کو سجدہ سے مقید کر دے تو امام اور مقتدی سب کی نماز باطل ہو جائے گی۔

سلام اور تحریمہ کی متابعت کے بیان کہ ''جب مقتدی کی کوئی رکعت یا تمام رکعتیں فوت ہو جائیں'' کی بحث میں کتاب الفقہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ مقتدی پر سلام میں امام کی متابعت لازم ہے، جب وہ تشہد کے پڑھنے سے فارغ ہو جائے، اگر مقتدی نے امام سے قبل تشہد پڑھ لیا اور اس سے قبل ہی سلام پھیر دیا تو اس کی نماز کراہت تحریمی کے ساتھ جائز ہے بشرطیکہ بغیر کسی عذر کے ایسا کیا گیا ہو۔

افضل یہ ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ ہی سلام پھیرے نہ تو پہلے اور نہ بعد میں، امام سے پہلے سلام پھیرنے کا حکم گزر چکا ہے، اگر کوئی امام کے بعد سلام پھیرتا ہے تو وہ افضل کا تارک ہے، البتہ اگر مقتدی نے امام سے قبل ہی تکبیر تحریمہ کہہ دی تو اس کی نماز ہی صحیح نہ ہوگی، اگر امام کے ساتھ تکبیر کہتا ہے تو صحیح ہے، اگر بعد میں کہتا ہے تو وہ تکبیر تحریمہ کے وقت کی فضیلت کا تارک ہے۔ (کتاب الفقہ صفحہ ۲۷۲ جلد ۱)

امام کی کب اقتداء کی جائے اور کب نہ کی جائے:

جب مقتدی امام کو تشہد میں پائے اور امام مقتدی کے تشہد پورا کرنے سے پہلے کھڑا ہو جائے یا مقتدی کے تشہد پورا کرنے سے پہلے امام نماز کے آخر میں سلام پھیر دے، تو مختار قول یہ ہے کہ مقتدی تشہد پورا کرے اور اگر وہ پورا نہ کرے تب بھی جائز ہے، اور اگر مقتدی کے تشہد سے فارغ ہونے سے پہلے امام بات کرے تو وہ تشہد پورا کرے اسی طرح اگر امام سلام پھیر دے تو بھی مقتدی تشہد پورا کرے اور اگر مقتدی کے تشہد سے فارغ ہونے پہلے امام کو عمداً حدث لاحق ہو جائے تو اس مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور جب امام تشہد کے لیے بیٹھے اور قعدہ اولی سے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے اور امام کے پیچھے کچھ لوگ تشہد بھول جائیں، یہاں تک کہ سبھی لوگ کھڑے ہو جائیں تو جو تشہد نہیں پڑھ سکا ہے وہ لوٹ آئے اور تشہد پڑھے، پھر امام کی اتباع کرے، اگر چہ رکعت چھوٹنے کا خوف ہو، اور اگر امام مقتدی کے تشہد کے بعد دعا ماثورہ یا درود شریف کے پڑھنے سے پہلے سلام پھیر دے تو وہ بھی امام کے ساتھ سلام پھیر دے، اور اگر امام مقتدی کے تین مرتبہ تسبیح پڑھنے سے پہلے رکوع و سجود سے اپنا سر اٹھائے تو صحیح قول یہ ہے کہ وہ امام کی اتباع کرے اور تسبیح کو چھوڑ دے، اور جب مقتدی اپنا سر امام سے پہلے رکوع یا سجود سے اٹھالے تو مناسب ہے کہ وہ لوٹ جائے اور رکوع یا سجود میں امام کے ساتھ ہو جائے اور یہ دو رکوع یا دو سجود نہیں ہونگے۔

اور اگر امام طویل سجدہ کرے اور مقتدی اس گمان میں اپنا سر اٹھالے کہ امام دوسرے سجدے میں ہے، پھر سجدہ میں چلا جائے تو اس کا پہلا ہی سجدہ شمار ہوگا، چاہے پہلے سجدہ کی نیت کرے یا نہ کرے، اور اسی طرح اگر دوسرے سجدہ اور متابعت کی نیت کرے تو بھی یہی حکم ہے، اور اگر صرف دوسرے سجدے کی نیت کرے تو دوسرا سجدہ ہی شمار ہوگا، پھر اگر امام اس کے ساتھ ہو جائے تو جائز ہے، اور اگر امام کے زمین پر پیشانی رکھنے سے پہلے مقتدی نے دوسرے سجدے سے اپنا سر اٹھالیا تو جائز نہیں ہے اور اس سجدہ کا اعادہ اس پر ضروری ہے، اگر اعادہ نہیں کرتا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر مقتدی طویل سجدہ کرے اور امام دوسرا سجدہ کر لے پھر مقتدی اپنا سر اٹھائے اور یہ گمان کرے کہ امام پہلے سجدہ میں ہے پھر دوسرا سجدہ کرے تو دوسرا سجدہ ہی شمار ہوگا، اگر چہ اس نے صرف پہلے سجدہ کی نیت کی، اس لیے کہ نیت اپنے محل کے مطابق نہیں، نہ مقتدی کے اپنے فعل کے اعتبار سے اور نہ امام کے فعل کے اعتبار سے۔

پانچ چیزیں اگر امام چھوڑے تو مقتدی بھی چھوڑ دے:

(۱) تکبیرات عیدین (۲) قعدہ اولی (۳) سجدۂ تلاوت

(۴) سجدۂ سہو (۵) قنوت جب کہ رکوع کے فوت ہو جانے کا ڈر ہو، اگر ڈر نہ ہو تو قنوت پڑھے، پھر رکوع کرے۔

اور آٹھ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر امام چھوڑ دے تو مقتدی اس کو کرے مثلاً تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کو چھوڑ دے، تو مقتدی رفع یدین

کرے، یا ثنا کو چھوڑ دے تو مقتدی پڑھے، اگر امام سورہ فاتحہ پڑھ رہا ہو اگر سورت پڑھ رہا ہو تو ثنا نہیں پڑھے گا، یہ امام محمد کے نزدیک ہے، شیخین کا اس میں اختلاف ہے اور رکوع وسجود کی تکبیروں کو چھوڑ دے، یا رکوع وسجود میں تسبیح چھوڑ دے، یا تسمیع (سمع اللہ لمن حمدہ) یا تشہد کا پڑھنا چھوڑ دے، یا سلام اور تکبیرات تشریق کو چھوڑ دے، تو مقتدی ان سب چیزوں کو کرے۔

اگر مقتدی تمام رکعتوں میں امام سے پہلے رکوع وسجود کرے تو ایک رکعت کی بغیر قراءت کے قضا کرے اور جب امام سے پہلے سجدہ کر لے اور امام اس کے سجدہ کو پالے تو جائز ہے؛ لیکن مقتدی کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ صفحہ ۱۷/جلد ۱)

مقتدی کا امام سے آگے بڑھنا اور امام کے افعال کو ضبط کرنا:

مقتدی پر ضروری ہے کہ امام سے آگے نہ بڑھے، اگر بڑھ جاتا ہے تو امامت اور نماز باطل ہو جائے گی، اس پر ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہے، البتہ مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے، ان لوگوں نے مقتدیوں کے امام سے آگے نہ بڑھنے کی شرط لگائی ہے، وہ اس حکم سے کعبۃ اللہ کے اردگرد نماز پڑھنے کو مستثنیٰ کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ وہاں پر مقتدی کا امام سے آگے بڑھ جانا جائز ہے، البتہ شوافع کے نزدیک اس میں کچھ تفصیل ہے۔ (کتاب الفقہ صفحہ ۳۶۷/جلد ۱)

اگر نماز میں قیام کی حالت میں ہے، تو مقتدی کی نماز کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پاؤں کا آخری حصہ امام کے پاؤں کے آخری حصہ سے آگے نہ بڑھے، اور اگر نماز میں بیٹھنے کی حالت میں ہے تو مقتدی کی سرین امام کی سرین سے آگے نہ بڑھے، اگر مقتدی اس میں آگے بڑھ جاتا ہے تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی، البتہ اگر وہ امام کے محاذاۃ میں ہی رہتا ہے تو اس کی نماز بغیر کسی کراہت کے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درست ہے، شوافع کا اس میں اختلاف ہے۔

مقتدی امام کے افعال کو سمجھے، خواہ دیکھ کر یا سن کر، یا کسی مبلغ کے ذریعہ، اگر مقتدی امام کے افعال کو صحیح طور پر سمجھ لیتا ہے تو اس کی نماز درست ہوگی؛ لیکن اگر ان دونوں کی جگہ مختلف ہو، تو مقتدی کی نماز باطل ہوگی کیونکہ امام ومقتدی کے درمیان جگہ کا مختلف ہونا مفسد اقتداء ہے، خواہ مقتدی پر امام کی حالت مشتبہ ہو یا نہ ہو، صحیح قول یہی ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے گھر میں ہی مسجد کے امام کی اقتداء کرتا ہے، اور اس کے گھر اور مسجد کے درمیان کوئی راستہ وغیرہ حائل ہے، تو اقتداء اختلاف مکانی کی وجہ سے صحیح نہیں ہوگی، اور اگر گھر بالکل مسجد سے متصل ہے سوائے دیوار مسجد کے اور کچھ درمیان میں نہیں ہے، تو مقتدی کی نماز اس شرط کے ساتھ صحیح ہوگی کہ اس پر امام کی حالت مشتبہ نہ ہو، اسی طرح جب مقتدی اپنے گھر کی چھت پر نماز پڑھے اور اس کی چھت مسجد کی چھت سے بالکل متصل ہے تو بھی اقتداء صحیح ہو جائے گی؛ کیونکہ ان دونوں حالتوں میں مکان مختلف نہ ہوگا۔

اگر مکان متحد ہو اور بہت ہی کشادہ ہو بڑی مسجدوں کی طرح، تو وہاں پر بھی جب تک مقتدی پر امام کی حالت مشتبہ نہ ہو اقتداء صحیح ہے، یا تو امام کی آواز سن کر یا مبلغ کی آواز سن کر یا خود امام کو دیکھ کر یا دوسرے مقتدیوں کو دیکھ کر، مگر اس وقت مبلغ کی اتباع بالکل درست نہ ہوگی جب کہ تکبیر تحریمہ وہ صرف تبلیغ صوت کے لیے باندھے کیونکہ اس وقت اس کی نماز ہی باطل ہوگی، لہٰذا جو کوئی اس کی تبلیغ کی اقتداء کرے گا اس کی نماز بھی باطل ہو جائے گی، اور وسیع وکشادہ مسجد میں بھی اقتدا جائز ہے جب کہ امام اور مقتدیوں کے درمیان کوئی ایسا راستہ نہ ہو کہ اس میں سے کوئی گاڑی گذر جائے یا کوئی ایسی چوڑی نہر ہو جس میں سے بڑی کشتی گزر جائے، اگر یہ چیزیں درمیان میں حائل ہوں تو پھر اقتداء درست نہیں ہے، صحراء کا حکم یہ ہے کہ اگر امام ومقتدی کے درمیان دو صف کے برابر خلا ہے تو پھر اقتدا درست نہیں ہے اور یہی صحراء کا حکم بہت بڑی مسجدوں کے لیے بھی ہے، جیسے بیت المقدس وغیرہ۔ (کتاب الفقہ ۳۶۸/جلد ۱)

بدائع الصنائع کے فاضل مصنف "اقتداء کے جواز کی شرائط" کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ہمارے نزدیک..... (بقیہ صفحہ ۳۴ پر)

سیرت وکردار

مسلم خواتین کے سچے واقعات

محمد شیث ادریس تیمی دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر دہلی

اے شہ دین تیرے ہوتے ہوئے :

تاریخ عالم میں عشق ومحبت کی ہزاروں داستانیں ملتی ہیں ، لیکن صحابہ کرام اور صحابیات طیبات کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر محبت وشیفتگی تھی وہ اپنی مثال آپ ہے، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شہدائے احد کی تجہیز وتکفین اور اللہ رب العزت کی حمد وثنا سے فارغ ہوکر مدینہ کا رخ کیا تو ان کا گزر بنو دینار کی ایک انصاری خاتون کے پاس سے ہوا، جس کے شوہر، بھائی اور باپ اسی غزوے میں شہید ہوگئے تھے، جب اسے خبر دی گئی کہ تمہارے باپ ، بھائی اور شوہر اس غزوے میں شہید ہوگئے ہیں، تو وہ کہنے لگی۔

انصاریہ: ’’لوگو! بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟‘‘

قافلہ: ’’ام فلاں ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بخیر ہیں اور بحمد للہ تو جیسا چاہتی ہے ویسے ہی ہیں‘‘۔

انصاریہ: ’’ذرا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دیکھ لوں، تاکہ میرے بے قرار دل کو قرار آ جائے‘‘۔

اہل قافلہ اشاروں سے بتاتے ہیں کہ وہ رہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جب وہ اپنی آنکھوں سے جمال جہاں آرا کا نظارہ کر لیتی ہے تو بے ساختہ پکار اٹھتی ہے۔

انصاریہ: یارسول اللہ! آپ کے دیدار کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے۔

میں بھی اور باپ بھی ، شوہر بھی ، برادر بھی
اے شہِ دین تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

ہمارے لئے کچھ نہیں چھوڑا:

مکہ میں جب اہل توحید کا جینا دوبھر ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہجرت مدینہ کی اجازت دے دی اور ایک رات آپ خود بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں مکے سے مدینہ کے لیے نکل پڑے، اس موقع پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہمراہ اپنے گھر کا سارا مال ومتاع بھی لے لیا تھا، ابو بکر رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ ابھی حالت کفر میں تھے اور نابینا تھے، انہیں اس ہجرت کا علم ہوا تو وہ گھر آئے اور ننھی پوتی اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے پوچھا۔

ابو قحافہ : ’’میں سوچتا ہوں کہ ابو بکر نے اپنے ساتھ سارا مال ودولت لے جا کر کہیں تمہیں مصیبت میں نہ ڈال دیا ہو‘‘۔

اسماء: ’’داداجان ایسی کوئی بات نہیں ہے، ابا حضور ہمارے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں‘‘۔

اسماء رضی اللہ عنہا گھر کے ایک کونے میں جہاں ابو بکر رضی اللہ عنہ مال ودولت رکھتے تھے، وہاں کچھ پتھر رکھ دیتی ہیں، اسے کپڑے سے ڈھکنے کے بعد دادا کا ہاتھ پکڑ کر کہتی ہے۔

اسماء: داداجان ان پر ہاتھ رکھئے۔

ڈھیر پر ہاتھ رکھنے کے بعد اسے دولت سمجھتے ہوئے ابوقحافہ بالکل مطمئن ہوجاتے ہیں اور ننھی اسماء سے کہتے ہیں۔

ابوقحافہ: ’’ابوبکر اگر اتنا سارا مال ودولت چھوڑ گیا ہے تو کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، اس نے جو بھی کیا اچھا کیا، اس رقم سے تمہاری ضرورتیں پوری ہوتی رہیں گی۔

اسماء: ''واللہ ابا جان نے ہمارے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے، ایسا کر کے تو میں نے بوڑھے اور نابینا دادا کو مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے''۔

ایسی چنگاری بھی یارب:

جہاد وقتال درحقیقت مردوں ہی کا کام ہے، یہ عورتوں کے بس کی بات نہیں ہے لیکن قرن اول کی ہماری اسلامی ماؤں نے معرکۂ سخت جاں میں بھی مردوں کے دوش بدوش جرأت و پامردی کے جوہر دکھائے ہیں، انہیں اسلامی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا غزوہ حنین میں شریک ہوئیں، ان کے پاس ایک خنجر تھا، جسے وہ کمر میں لٹکائے ہوئی تھیں حالانکہ وہ ان دنوں حمل میں تھیں، ان کے شوہر ابوطلحہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔

ابوطلحہ: ''یارسول اللہ! ام سلیم کے پاس ایک خنجر ہے''۔

ام سلیم: ''اے اللہ کے رسول! میں اس خنجر کو اپنے پاس اس لیے رکھتی ہوں کہ اگر کوئی مشرک ادھر آیا تو اس کا پیٹ چاک کردوں گی، مکے والوں سے قتال کروں گی اور ان کی گردنیں اڑاؤں گی''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جرأت و دلیری پر مسکرا دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: ام سلیم! اللہ تمہارے لیے کافی اور بہتر کارساز ہے۔

اگر وہ مرد نہیں ہوتا......

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ غزوہ خندق کے دن ہم تمام عورتیں فارع نامی قلعہ میں محصور تھے، قلعے کی نگرانی پر شاعر رسول حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مامور تھے، اچانک میری نظر ایک یہودی پر پڑی جو قلعے کے اردگرد چکر لگا رہا تھا، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ جاسوس نہ ہو، اس لیے میں نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا:

صفیہ: ''حسان! یہ یہودی (جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں) قلعہ کے گرد منڈلا رہا ہے، اللہ کی قسم مجھے اندیشہ ہے کہ یہ ہماری گھات میں بیٹھے ہوئے یہودیوں کو ہماری کمزوری سے آگاہ کردے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر مورچہ پر اس طرح مشغول ہیں کہ وہ ہماری مدد کو نہیں آ سکتے، لہٰذا آپ قلعے سے نیچے اتر کر اسے قتل کردیجئے''۔

حسان: ''اے بنت عبدالمطلب اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ تو بخوبی جانتی ہیں کہ میں اس کام کا آدمی نہیں ہوں''۔

حسان کا مایوس کن جواب سن کر وہ خود اٹھتی ہیں، زرہ پہنتی ہیں اور خیمے کی ایک لکڑی لے کر قلعے سے نیچے اتر جاتی ہیں اور یہودی کے سر پر اس زور سے ڈنڈا مارتی ہیں کہ وہ وہیں ڈھیر ہو جاتا ہے، پھر وہ قلعے میں واپس آ کر حسان سے عرض کرتی ہیں:

صفیہ ''جائیے! اس کا ہتھیار اور اسباب اتار لائیے، اگر وہ مرد نہ ہوتا تو میں خود ہی اس کا اسباب اتار لیتی''۔

میں پردہ نشین ہوں:

معرکہ اجنادین میں ضرار بن ازدشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے، اس لیے ان کی رہائی کے لیے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنہیں اسلامی تاریخ میں سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، طلیعہ (مقدمۃ الجیش) لے کر آگے بڑھے، خالد رضی اللہ عنہ راستے میں تھے کہ ایک نقاب پوش نیزہ بردار گھوڑ سوار ان کے قریب سے گزرا جس کی آنکھوں کی شہتیریں بھی نظر نہیں آ رہی تھیں، وہ تنہا داد شجاعت دے رہا تھا، اس کی بے مثال جرأت و پامردی کو دیکھ کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا:

خالد: کاش میں اس گھوڑ سوار کو پہچان لیتا کہ کون ہے؟ واللہ وہ واقعی شہسوار ہے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ اس کے پیچھے ہو لیتے ہیں، حتی کہ وہ نقاب پوش شہسوار رومی لشکر میں گھس کر اس کی صفوں کو منتشر کر دیتا ہے اور شیر کی طرح دھاڑتا ہے، جس سے ساری فوج تھرا اٹھتی ہے، میدان کارزار سے جب وہ باہر نکلتا ہے تو اس کے نیزے سے گرم خون کے قطرے ٹپکتے رہتے ہیں، اس وقت تک وہ بہت سے جوانوں

اور فوجی افسروں کو خاک وخون میں ملا چکا ہوتا ہے، پھر وہ دوبارہ موت کا فرشتہ بن کر طوفان بلاخیر کی طرح میدان کارزار میں کود پڑتا ہے، اس کی جرأت وپامردی کو دیکھ کر لوگ شک وتردد میں مبتلا ہوجاتے ہیں، اسے خالد بن ولید تصور کرنے لگتے ہیں، اچانک کسی طرف سے خود خالد بن ولید ان کے سامنے آگئے، رافع بن عمیرہ ان سے پوچھتے ہیں:

رافع بن عمیرہ ''وہ گھوڑسوار جو ابھی ہمارے سامنے سے گزرا، کون ہے؟ اس نے تو واقعی دل وجان کی بازی لگادی ہے''۔

خالد: ''اس کی بے مثال جرأت وبہادری نے تو مجھے بھی حیرت واستعجاب میں ڈال دیا ہے''۔

اسی دوران وہی شہسوار بجلی کی طرح نمودار ہوا اور تابڑتوڑ ایسے حملے کئے کہ دشمنوں کی فوج میں افرادتفری پھیل گئی، پھر جب وہ مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوا تو سب اس کے گرد جمع ہوگئے اور اس سے نام بتانے اور چہرے سے نقاب ہٹانے کی منتیں کرنے لگے تاکہ اس سے تعارف حاصل کریں، مگر اس نے کچھ جواب نہیں دیا، لیکن جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا اصرار حد سے بڑھا تو اس نے کہا:

گھوڑسوار: ''اے سپہ سالار! میری کیا مجال کہ میں آپ کے حکم سے سرتابی کروں، مگر حیا مانع ہے کیونکہ میں ایک ہودج گریں اور پردہ عورت ہوں اور یہ سب کچھ میں نے سوزش دل اور غموں سے نڈھال ہونے کی وجہ سے کیا ہے''۔

خالد: ''تم کون ہو؟''

گھوڑسوار: میں خولہ بنت ازدہوں، میں اپنے قبیلے کی عورتوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی کہ کسی نے بتایا کہ تیرا بھائی دشمنوں کے ہاتھ قید ہوگیا ہے، چنانچہ میں گھوڑے پر سوار ہوئی اور معرکہ کارزار میں کود پڑی''۔

خولہ کی داستان الم سن کر خالد رضی اللہ عنہ حد درجہ متاثر ہوئے اور یکبارگی اسلامی لشکر کو للکارتے ہوئے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے، خولہ ان کے ہمراہ اس وقت تک جہاد کرتی رہیں، جب تک کہ ان کا بھائی رہا نہیں ہوگیا۔

جسارت آفریں شوق شہادت:

حبیب بن سلمہ الفہری جنہوں نے ترکوں کے خلاف متعدد جنگیں لڑی ہیں ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جب وہ کسی معرکہ کے ارادے سے نکل رہے تھے تو ان کی بیوی نے ان سے کہا:

بیوی: ''آپ کا ٹھکانا کہاں ہے؟''

حبیب: ''مشرکوں کے خیمے یا جنت ان شاء اللہ''۔

بیوی: ''مجھے قوی امید ہے کہ ان دوجگہوں میں سے جس جگہ بھی آپ ہوں گے وہی میرا بھی مقام ہوگا، حبیب جب میدان جنگ میں اترے تو وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی اہلیہ ترکوں کے خیمے میں گھس کر نہایت بے جگری کے ساتھ جہاد کررہی ہے۔

اس شہسوار کے سواری سے اترنے کا وقت کب ہوگا؟:

حجاج بن یوسف ثقفی کے انسانیت سوز کارناموں کے بغیر ظلم وعدوان اور تمرد وطغیان کی تاریخ ہمیشہ تشنۂ تکمیل رہے گی، اس کا نام لب پہ آتے ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ جب حجاج نے اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے حکم سے مکہ پر چڑھائی کی اور اس کے ڈر سے فرماں روائے مکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اکثر رفقاء حتی کہ دو بیٹے حمزہ وحبیب بھی ان سے علیحدہ ہوگئے اور حجاج سے آملے، تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے چاروناچار اپنی والدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی۔

عبداللہ: ''امی جان! مجھے میرے لوگوں نے دھوکہ دیا، ذلیل کیا، حتی کہ میرے لڑکوں نے مجھے رسوا کیا، اگر میں دنیا کو چاہوں تو دشمن مجھے دے سکتے ہیں، آپ کی اس سلسلے میں کیا رائے ہے۔

اسماء: ''بیٹے! تم اپنے معاملے کو مجھ سے زیادہ اچھا سمجھتے ہو، اگر تمہارا یقین ہے کہ تم حق پر ہو اور اسی کی طرف لوگوں کو بلاتے رہے ہو، تو جو کررہے ہو کئے جاؤ، تمہارے ساتھی اسی راہ میں مارے گئے ہیں، تم اپنی گردن ایسی رسی میں نہ پھنساؤ کہ بنوامیہ کے لونڈے اس سے کھیلیں، لیکن ہاں! اگر تم نے حصول دنیا کا قصد کیا تھا تو تم بہت ہی

نااہل انسان ہو، جس نے یوں ہی خود کو بھی ہلاک کیا اور اپنے رفقاء کو بھی موت کے منھ میں دھکیل دیا اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ میں حق پر تھا لیکن میرے ہمراہیوں نے مجھے دھوکہ دیا، جس سے کمزور ہو گیا، تو جان لو کہ یہ بندۂ خر اور مرد مومن کی شان نہیں ہے، بھلا تم ہی بتاؤ کہ تمہاری زندگی تا بکے؟ ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے، اللہ کی قسم! میرے نزدیک حصول عزت کے لیے تلوار کی ایک ضرب ذلت کے کوڑے سے کہیں زیادہ عزیز ہے''۔

عبداللہ: ڈرتا ہوں کہ قتل کے بعد وہ لوگ میرا مثلہ نہ کردیں''۔

اسماء: ''جان مادر! جب بکری ذبح کر ڈالی گئی تو کھال کھینچے جانے کی اسے کیا پرواہ؟ تم جو کچھ کر رہے ہو بصیرت کے ساتھ کئے جاؤ، اور اللہ تعالی سے مدد کے طلب گار رہو''۔

ماں کا جرأت مندانہ جواب سن کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ دنگ رہ گئے اور پیار سے ان کے سر کا بوسہ لیتے ہوئے فرمایا:

عبداللہ: ''میری بھی یہی رائے ہے امی جان! اس وقت تک نہ مجھے دنیا کی خواہش ہوئی اور نہ حکومت کی تمنا، مجھ کو یہ راستہ اختیار کرنے پر صرف اس امر نے مجبور کیا کہ اللہ تعالی کے احکام کی پابندی نہیں کی جاتی تھی اور نہ ممنوعات سے پرہیز ہو پا رہا تھا، میں زندگی کی آخری سانس تک حق کے لیے لڑتا رہتا، لیکن میں نے مناسب سمجھا کہ اس سلسلے میں آپ سے بھی رائے لے لوں، آپ نے میری بصیرت میں اضافہ کر دیا۔

امی جان! میں آج ضرور جام شہادت نوش کرلوں گا، آپ زیادہ مغموم نہ ہونا، آپ مجھے اللہ تعالی کے سپرد کر دیجئے، آپ کے بیٹے نے کبھی کسی ناجائز کام کے کرنے کا قصد تک نہیں کیا اور نہ کبھی بدکاری کی طرف توجہ کی ہے، نہ اس نے بدعہدی کی ہے، نہ کسی پر ظلم کیا ہے، نہ کسی ظالم کا معین ومددگار رہا ہے اور نہ رضائے رب کے خلاف کوئی کام کیا ہے، بارالہ میں یہ باتیں اپنے نفس کی برأت کی غرض سے نہیں بلکہ اپنی والدہ کی تسلی خاطر اور غم غلط کرنے کے لیے کہتا ہوں''۔

اسماء ''مجھے امید ہے کہ اللہ تعالی تم کو اس کا اجر جمیل عطا فرمائے گا، تم اللہ کا نام لے کر دشمنوں پر حملہ آور ہو، اگر فتح یاب ہو گئے تو مجھے تمہاری فتح مندی سے مسرت ہوگی، میں تمہارا انجام کار دیکھنے کو چلتی ہوں''۔

عبداللہ: ''ماں آپ تکلیف نہ کیجئے، اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر دے، بس دعا فرمایئے''۔

اسماء رضی اللہ عنہا کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں، دعائیں دیتی ہوئی اپنے لخت جگر کو سینے سے لگا کر وداع کرتی ہیں اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نہایت بے جگری کے ساتھ لڑ کر شہید ہو جاتے ہیں، فوراً ان کے سر مبارک کو تن سے جدا کر کے عبدالملک بن مروان کے پاس بھیج دیا جاتا ہے اور جسد اطہر کو سولی پر چڑھا دیا جاتا ہے، اسماء رضی اللہ عنہا کا ادھر سے گزر ہوتا تو بیٹے کو مصلوب دیکھ کر فرماتی ہیں:

اسماء: ''کیا ابھی اس شہسوار کے سواری سے اترنے کا وقت نہیں آیا ہے''۔

شوگر ختم: جو لوگ شوگر کے مرض میں مبتلا ہوں وہ اب مایوس نہ ہوں، قدرت نے ہر بیماری کے ساتھ اس کا علاج بھی پیدا کیا ہے، یہ خیال بھی بالکل غلط ہے کہ شوگر کا مرض ختم نہیں ہوتا، ہمارے دیسی علاج سے شوگر کا مرض ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے اور دوبارہ اس کا حملہ نہیں ہوتا، شوگر کے وہ مریض جو انگریزی دوائیں کھاتے کھاتے پریشان ہو گئے ہوں اور آرام نہیں ہوتا تو وہ علاج کے لیے آج ہی ہمیں لکھیں، ملیں یا فون پر رابطہ کریں۔

مایوسی کی ضرورت نہیں: بواسیر، پتھری، پورے بدن کا درد، گٹھیا، سانس کا پھولنا، اس کے علاوہ زنانہ ومردانہ پوشیدہ امراض کا مکمل کامیاب علاج، کمزوری چاہے کسی بھی عمر میں ہو، شادی سے پہلے یا بعد میں کھوئی ہوئی طاقت دوبارہ حاصل کریں۔

پھول والے حکیم

محلّہ ملانہ، امروہہ، ضلع جے پی نگر (یوپی) پن کوڈ: 244221
موبائل: 09412391643 فون: 05922-250995

اشتہار

تاریخ ہند

ہندوستان انگریزوں کے عہد میں

مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد:

زمانۂ دراز سے ہندوستان کے یورپ سے تجارتی تعلقات تھے، یہاں سے سوتی وریشمی کپڑے اور مصالحے وغیرہ ترکی کے بری راستہ سے یورپ جاتے تھے، بعد میں جب یہ سلسلہ بند ہوا تو بحری راستہ سے یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوا، ۱۴۹۸ء میں پرتگیزی جہاز راں واسکوڈی گاما افریقہ ہوتے ہوئے اسد البحر نامی ایک مسلمان کی معیت میں ہندوستان میں کالی کٹ (کیرلا) کے ساحل پر پہنچا جس کے بعد پرتگیزی تاجروں کو کیرلا کے مقامی باشندوں پر تجارت میں غلبہ حاصل ہوا اورانہوں نے ۱۵۷۰ء میں کالی کٹ اور گوا میں اپنے تجارتی قلعے تعمیر کئے، کچھ مدت بعد ہالینڈ کے تاجر بھی تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے، اس کے علاوہ جرمنی، سوئیڈن، فرانس، برطانیہ اور ڈنمارک وغیرہ سے بھی بڑی تعداد میں یوروپی تاجروں کی ہندوستان آمد شروع ہوئی اور انھوں نے ہندوستان کے ساحلی شہروں میں اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کیں۔

سولہویں صدی عیسوی میں مغلیہ حکومت کے دوران برطانیہ سے انگریز تاجر بن کر ہندوستان آئے، برطانوی بادشاہ جیمس اول کے زمانہ میں پہلی دفعہ ۱۶۱۵ء میں کپتان ولیم ہاکنس قیمتی تحائف کے ساتھ شاہ انگلستان کا پہلا سفارتی خط لے کر مغل بادشاہ جہانگیر کے دربار میں آیا اور یہیں سے باضابطہ ہندوستان کی حکومت کا برطانوی حکومت سے سفارتی تعلق قائم ہوگیا، مغل بادشاہ جہانگیر کی اجازت سے انھوں نے سب سے پہلے سورت، احمد آباد اور آگرہ وغیرہ میں اپنے تجارتی مراکز قائم کئے، اس کے بعد مدراس، کلکتہ اور ممبئی وغیرہ میں بھی ۱۵۱۰ء میں پرتگالیوں نے گوا پر اور ۱۶۶۴ء میں فرانسیسیوں نے پانڈیچری پر قبضہ کرلیا، ۱۷۰۸ء تک انگریزوں کی ہندوستان میں تین بڑی کمپنیاں قائم ہوچکی تھیں، بعد میں ان تین کمپنیوں کی آپسی ناچاقی کو دیکھتے ہوئے ملکۂ برطانیہ کے حکم سے ایک متحدہ تجارتی کمپنی ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے وجود میں آئی، ۱۶۴۰ء میں دکن کے راجہ نے انگریزوں کو موجودہ چنائی کا علاقہ دیا، برطانیہ کے بادشاہ چارلس دوم کی ملکہ کو پرتگال کے بادشاہ نے جوان کے والد تھے موجودہ بمبئی کا جزیرہ بطور جہیز دیا تھا جس کو بعد میں ملکہ نے ہندوستان میں موجودہ برطانوی کمپنی کو دے دیا جس کے بعد انگریزوں نے اپنا تجارتی مرکز سورت سے ممبئی منتقل کردیا، ۱۶۶۱ء میں جب مغل بادشاہ اورنگ زیب نے انگریزوں کے عزائم کو بھانپ لیا تو ان کو ہندوستان سے باہر کردیا لیکن بعد میں ان کو پھر ہندوستان واپس آنے کی اجازت ملی، جس کے بعد انھوں نے کلکتہ شہر کو خرید لیا اور وہاں اپنا فوجی قلعہ تعمیر کیا، اس کے علاوہ مدراس میں بھی انھوں نے اپنا تجارتی مرکز قائم کرلیا، اورنگ زیب کو اس بات کا اندازہ ہوگیا تھا کہ انگریز تجارت کے نام سے ہندوستان میں اپنے فوجی قلعے تعمیر کررہے ہیں، اسی لیے اس نے اپنے مختلف گورنروں کے نام یہ حکم جاری کردیا تھا کہ وہ ملک میں ان کی تجارت پر پابندی لگائیں، چنانچہ جب شاہ انگلستان جیمس دوم کو اورنگ زیب کے اس سلوک کا علم ہوا تو اس نے کلکتہ کے قریب مشرقی بنگال کے بندرگاہی شہر چاٹگام پر حملہ کے لیے اپنے بحری فوج روانہ کی لیکن اس میں ان کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا

جس کے بعد انھوں نے گجرات کے شہر سورت سے حج کے لیے جانے والے بحری جہازوں کو لوٹنا شروع کیا، لیکن جلد ہی برطانوی تجارتی کمپنی کا دیوالیہ نکل گیا، جس کے بعد ان کی طرف سے منت سماجت کے بعد ان کو ۱۶۹۰ء میں دوبارہ تجارت کی اجازت دی گئی۔

ھندوستان انگریزوں کے قبضہ میں:

انگریز اب آہستہ آہستہ ملک کے انتظامی امور میں دخل دینے لگے اور ان کا اثر اتنا بڑھا کہ بادشاہ وقت کے لیے کسی معاملہ میں ان کو نظرانداز کرنا ممکن نہ رہا، ہندوستانی حکمرانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے آہستہ آہستہ جنوب میں کرناٹک اور مشرق میں کلکتہ پر قبضہ کرلیا، نواب ارکاٹ کی مدد کے بہانے مدراس پر ان کا قبضہ پہلے سے ہی ہو چکا تھا، بنگال میں مرشدآباد کے حاکم نواب سراج الدولہ نے ۱۷۵۷ء میں ان کو شکست دینے کی کوشش کی لیکن اپنے وزیر میر جعفر کی غداری کی وجہ سے پلاسی کے مقام پر وہ شکست کھا گئے، یہ پلاسی کی جنگ کہلائی، اس جنگ میں انگریزوں کی فوج صرف تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی جب کہ سراج الدولہ کے پاس ستر ہزار کی فوج تھی، سراج الدولہ کو جنگ کے بعد انگریزوں نے گرفتار کر کے قتل کردیا، ان کی شکست کی بنیادی وجہ فوج میں شامل منافقوں اور غداروں کی موجودگی تھی جن کا عبرتناک انجام چند ہی دنوں میں دنیا نے بھی دیکھ لیا، میر جعفر جذام کے مرض میں تڑپ تڑپ کر مرا، سیٹھ امی چند پاگل ہوگیا اور راجہ درلب غرق ہو کر مرا، اس کے بعد انہوں نے بنگال میں چوبیس پرگنہ پر قبضہ کرلیا، جو ہندوستان میں انگریزوں کا پہلا باضابطہ قبضہ تھا۔

۱۷۶۴ء میں مرشدآباد ہی کا حاکم میر جعفر کے داماد میر قاسم دہلی کے بادشاہ شاہ عالم اور اودھ کے حاکم نواب شجاع الدولہ نے اپنی مشترکہ فوج کے ساتھ انگریزوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی، لیکن بکسر کے میدان میں ۱۷۶۴ء میں ان کو بھی شکست کا سامنا کرنا پڑا، اس جنگ میں مسلمانوں کے پاس پچاس ہزار کی فوج تھی، جب کہ انگریزوں کے پاس صرف سات ہزار کی، شکست کے بعد شاہ عالم نے انگریزوں سے مصالحت کرلی اور ان کا وظیفہ خوار بن کر بہار، بنگال اور اڑیسہ کا پورا خطہ ان کے حوالہ کردیا، شجاع الدولہ نے بھی انگریزوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے، ۱۷۷۲ء میں ہندوستان میں پہلے انگریز گورنر جنرل ہسٹنگز کا تقرر عمل میں آیا، تیسری دفعہ ریاست میسور کے حاکم حیدر علی کے قابل فرزند اور جانشین سلطان ٹیپو شہید نے پوری قوت سے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کی کوشش کی لیکن ان کو بھی خود اپنوں کی سازش سے، جس میں سرفہرست میر صادق تھا اور مرہٹوں کے ساتھ انگریزوں کے اشتراک کی وجہ سے شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ بھی ۱۷۹۹ء میں جام شہادت نوش کر کے ملک سے مسلمانوں کی وفاداری کی ایک عظیم تاریخ اپنے پیچھے چھوڑ گئے، سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد انگریزوں کی ہمت اور بڑھی اور انہوں نے بنگال وکرناٹک کے بعد پنجاب، اودھ اور برما وغیرہ پر قبضہ کرلیا۔

کرناٹک کی جنگیں:

۱۷۴۰ء تا ۱۷۶۳ء کے درمیان انگریزوں اور فرانسیسیوں میں کرناٹک کے مختلف علاقوں پر قبضہ کے لیے جو جنگیں ہوئیں وہ کرناٹک کی جنگیں کہلائیں، کرناٹک اب ایک مستقل صوبہ کا نام ہے جو ہندوستان کے جنوب مغرب میں واقع ہے، اس میں سابقہ سلطنت حیدرآباد و ممبئی کے کئی اضلاع بھی شامل ہیں، اس کو پہلے ریاست میسور کہا جاتا تھا۔

پھلی باضابطه جنگ آزادی:

یوں تو جب سے انگریزوں کا ہمارے ملک پر قبضہ کا آغاز ہوا اسی وقت سے یہاں کے باشندوں نے ان کو ملک سے باہر کرنے کے لیے اپنی کوششیں شروع کردیں تھیں، اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ۱۸۵۷ء سے جنگ آزادی کا آغاز ہوا، ۱۷۵۷ء میں بنگال کے آخری نواب سراج الدولہ اور ۱۷۹۹ء میں سلطنت خداداد میسور کے حاکم سلطان ٹیپو شہید انگریزوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو چکے تھے، البتہ ۱۸۵۷ء میں تمام ہندوستانیوں نے بلاتفریق مذہب وملت مشترک

طور پر انگریزوں سے ہندوستان کی آزادی کے لیے دوبارہ لڑنا شروع کیا، اس لیے یہ جنگ مطلق پہلی جنگ کے بجائے پہلی باضابطہ جنگ کہلائی جاسکتی ہے، انگریزوں کے خلاف ان کی یہ مشترکہ کوشش زبردست جنگ آزادی کی شکل اختیار کرگئی، میرٹھ کے مقام سے اس کا آغاز ہوا، انگریزی فوج میں شامل مسلم وہندو سپاہیوں نے انگریز افسروں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، عوام بھی بڑی تعداد میں اس میں شریک ہوئے، انگریزوں کو ملک سے بھگانے کے لیے شروع ہونے والی اس باضابطہ پہلی جنگ آزادی کو انگریزوں نے غدر کا نام دیا اگرچہ اس پہلی جنگ آزادی میں ابتداء میں انگریزوں کو شکست ہوئی لیکن چونکہ ان کے پاس بہت زیادہ وسائل تھے، اس لیے وہ بہت جلد سنبھل گئے، ملک کی آزادی کے لیے لڑنے والے جانباز انقلابیوں نے سب سے پہلے دہلی پر قبضہ کیا اور بہادر شاہ ظفر کو ہندوستان کا بادشاہ بنانے کا اعلان کیا لیکن جلد ہی انگریزوں نے پھر دہلی، لکھنؤ، بنارس اور الہ آباد پر قبضہ کرلیا، جھانسی کی رانی لکشمی بائی اسی دوران انگریزوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ماری گئی، بہادر شاہ ظفر گرفتار ہوکر رنگون (برما) جلاوطن کردیئے گئے۔

اس بغاوت کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ہندوستان پر انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا سلسلہ ختم ہوا اور براہ راست برطانیہ کی سرکار نے ملک پر حکومت کرنا شروع کیا، ملکہ برطانیہ نے ۱۸۵۸ء میں ہندوستانیوں کے لیے ان کے دستوری حقوق دینے کا اعلان کیا لیکن وہ اپنا وعدہ پورا نہیں کرسکی، اس کے بعد گورنر جنرل کے بجائے ملکہ برطانیہ یعنی ملکہ وکٹوریہ کے نمائندے کے حیثیت سے وائسرائے کو زمام حکومت سونپی گئی، یہ سلسلہ ہندوستان کی آزادی تک جاری رہا۔

انگریزوں کے خلاف اس جنگ میں کئی راجہ، مہاراجہ اور نواب پیش پیش تھے جس میں سرفہرست جھانسی کی رانی لکشمی بائی تھی جس نے انگریزوں کے خلاف لڑتے ہوئے صرف بائیس سال کی عمر میں اپنی جان دی، کرناٹک میں قائم چھوٹی سی ریاست کتور کی رانی چنما قید کردی گئی، گوالیار کے تانتیا ٹوپی کو گرفتار کرکے پھانسی دی گئی اور دہلی کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو برما (رنگون) میں قید کیا گیا اور وہیں ان کی وفات ہوئی، اس کے علاوہ مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، کانپور کے نانا صاحب، لکھنؤ کی بیگم حضرت محل اور بہار کے کنور سنگھ وغیرہ بھی انگریزوں کے خلاف آزادی کی اس جنگ میں پیش پیش تھے۔

ملک کی آزادی میں مسلمانوں کا حصہ:

ہمارے ملک کی آزادی میں ہندوستان کی تمام اقوام میں مجموعی طور پر سب سے زیادہ مسلمانوں ہی کا رہا جس کے لیے علماء کی قیادت میں مسلم عوام نے جذبہ حریت سے سرشار ہوکر سرفروشی وحب الوطنی کے وہ نمونے پیش کئے جس کی مثال ہندوستان کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی، برطانوی فیلڈ مارشل رابرٹ نے اپنی کتاب ''ہندوستان میں ۴۱ رسال'' میں لکھا ہے کہ صرف ۱۸۵۷ء میں ستائیس ہزار مسلمانوں کو پھانسی دی گئی، قتل عام میں جو مارے گئے ان کا تو شمار ہی نہیں، غیر ملکی سامراج کے خلاف ملک کی اس آزادی کے لیے سلطان ٹیپو نے جام شہادت نوش کیا، مرشد آباد کے حاکم نواب سراج الدولہ کو قتل کیا گیا، مغلیہ سلطنت کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو پہلے تو دہلی میں ہمایوں کے مقبرہ میں قید کیا گیا اور اس کے شہزادوں کا سر قلم کرکے طشت میں سجا کر اس کے سامنے پیش کیا گیا پھر اس کو پابہ زنجیر کرکے رنگون جلاوطن کیا گیا، احمد اللہ شاہ کو شہید کیا گیا، شیخ الہند مولانا محمود حسن کو یورپ لے جاکر بحیرۂ روم کے جزیرہ مالٹا میں قید کیا گیا، ہزاروں علماء کو پھانسی دی گئی، اور لاکھوں مسلمانوں کو جیلوں میں قید کرکے ناقابل یقین سزائیں دی گئیں، اس سلسلہ میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک سے وابستہ مجاہدین بالخصوص علماء صادق پورو روہیلکنڈی کی قربانیوں وسرفروشیوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں جنگ آزادی کا آغاز ہوا حالانکہ مسلمان اس سے بہت پہلے برطانوی سامراج کے خلاف میدان میں آچکے تھے اور اس سے بہت پہلے

تحریک آزادی اس وقت شروع ہوچکی تھی جب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے انگریزوں کے خلاف ملک کی آزادی کے لیے راہ ہموار کی، اس کے بعد ۱۸۰۳ء میں ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے اس کو دارالحرب قرار دیا، ۱۷۵۷ء میں نواب سراج الدولہ نے ان کے خلاف پلاسی کے مقام پر اور نواب حیدرعلی نے ۱۷۶۷ء میں میسور میں ان کا مقابلہ کیا اور انگریزوں کو ملک سے باہر کرنے کی یہ تحریک پورے ملک میں چل پڑی اور ۱۹۴۷ء میں ملک کی آزادی کے ساتھ ہی اس کا اختتام ہوا۔

مسلمانوں کے ساتھ انگریزوں کی بدسلوکی:

انگریز چونکہ عالمی سطح پر اسلام ہی کو عیسائیت کا حریف اور مدمقابل سمجھتے تھے اس لیے انھوں نے خاص کر اس ملک پر اپنے مکمل قبضہ کے بعد مسلمانوں کا ملک میں جینا دوبھر کردیا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فطری طور پر مسلمانوں اور ان کے علماء ہی اس جنگ آزادی میں پیش پیش رہے اور ان ہی کو اس جنگ آزادی کا ذمہ دار سمجھا گیا اور انگریزوں کی زیادہ تر انتقامی کارروائیوں کا ان ہی کا سامنا کرنا پڑا، اسی لیے انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ کو جنگ آزادی کے بجائے اسلامی بغاوت کا نام دیا۔

اسی کے ساتھ پورے ملک میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے مشنری جال بچھایا گیا اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے لیے طرح طرح کی کوششیں کی گئیں، جب مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مشتعل کرنے کے لیے انگریز فوج نے سور کی چربی سے بنے کارتوس استعمال کرنے شروع کئے تو پورے ملک میں مسلمانوں کے اشتعال کی وجہ سے بغاوت کی تحریک مزید منظم ہوگئی۔

انگریزوں نے اہل ہند کی آزادی کے لیے کی جانے والی ان مشترکہ کوششوں کو طاقت کے بل بوتے پر کچلنا چاہا لیکن اس میں وہ کامیاب نہ ہوسکے، بالآخر انہوں نے لاکھوں لوگوں کو فرضی مقدمات میں پھانس کر قتل کیا، اس سے زیادہ لوگوں کو اذیت ناک سزائیں دیں اور ہزاروں کی تعداد میں مسلم علماء پھانسی پر چڑھادئے گئے، ملک کے نظام تعلیم، معیشت، عدلیہ اور انتظامیہ وغیرہ میں اس طرح تبدیلی لائی گئی کہ اس میں خاص کر مسلمان فاضل عنصر بن کر رہ جائیں مسلمانوں کی ملکیتیں وجائیدادیں ضبط کی گئیں، سرکاری ملازمتوں سے مسلمانوں کو چن چن کر نکالا گیا اور ان کو تعلیمی، اقتصادی، سیاسی وسماجی غرضیکہ ہر میدان میں پستی کی آخری حد تک پہنچانے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کی گئیں۔

جنگ عظیم دوم میں ہندوستان کی شرکت:

۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک عالمی سطح پر یورپ میں ایک بھیانک جنگ ہوئی جو جنگ عظیم اول کہلائی، اس میں دنیا کے متعدد ممالک شامل تھے، ایک طرف جرمنی، آسٹریا اور ترکی اور دوسری طرف برطانیہ، فرانس، اٹلی، روس اور امریکہ تھے، اس میں جرمنی اور اس کے ساتھیوں کو شکست ہوئی اور ترکی سے خلافت اسلامیہ (خلافت عثمانیہ) کا خاتمہ ہوا۔

۱۹۳۹ء میں عالمی سطح پر دوبارہ جنگ شروع ہوئی جو جنگ عظیم دوم کہلائی، اس مرتبہ جرمنی کا ساتھ جاپان اور اٹلی نے دیا اور انگریزوں کے ساتھ بدستور روس، فرانس اور امریکہ رہے۔

انگریزوں نے ہندوستان کو بھی اس عالمی جنگ میں شریک کرلیا جس سے ہندوستان کے عوام ناراض ہوگئے اور اس کے خلاف سول نافرمانی کی عوامی تحریک شروع ہوئی، جاپان نے برما کی فتح کے بعد ہندوستان کی طرف قدم بڑھائے اور آسام وبرما کی سرحدوں پر بم برسائے ۱۹۴۵ء میں جرمنی کو شکست ہوئی لیکن انگریز اپنی فتح کے باوجود تھک گئے تھے اور ہندوستانیوں کی اپنے ملک کی آزادی کے لیے قربانیوں اور روز روز کے ہنگاموں سے تنگ آچکے تھے، چنانچہ ملک کے مختلف جیلوں میں قید قومی لیڈروں کو رہا کیا گیا اور ملک کے سیاسی لیڈروں کے ساتھ مصالحت کی باتیں ہونے لگیں۔

صبح آزادی:

بڑی محنتوں، قربانیوں اور کوششوں کے بعد بالآخر ہمارا یہ ملک ۱۵/

اگست ۱۹۴۷ء کو انگریزوں کے قبضہ سے آزاد ہوا، بھارت کی اس جنگ آزادی میں مولانا ابوالکلام آزاد، مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، شیخ الہند مولانا محمود حسن، سردار ولبھ بھائی پٹیل، سروجنی نائیڈو، راج گوپال اچاریہ، بھگت سنگھ، مولانا حسرت موہانی، سبھاش چند بوس، حکیم اجمل خان، ڈاکٹر مختار انصاری، رفیع احمد قدوائی، مولانا حسین احمد مدنی، سرحدی گاندھی خان عبدالغفار وغیرہم سرفہرست تھے۔

انگریزوں نے جاتے جاتے بھی ایک سازش کی اور مشرقی بنگال، سندھ، بلوچستان، سرحد اور مغربی پنجاب پر مشتمل مسلم اکثریتی ریاستوں کو پاکستان کے نام سے متحدہ ہندوستان سے علیحدہ کر کے الگ ملک بنادیا لیکن پاکستان سے بھی مشرقی بنگال کا مسلم اکثریتی علاقہ جو بنگالی مسلمانوں پر مشتمل تھا ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش کے نام سے علیحدہ ہوگیا اور الگ ملک کہلایا۔

۱۹۴۷ء میں ملک کی اس تقسیم کے باوجود ہندوستانی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے اپنے محبوب مادر وطن ہندوستان ہی میں اپنی سکونت کو ترجیح دی، ملک کی اس تقسیم کے موقع پر ہندوستان کی تاریخ میں وہ ہولناک فسادات رونما ہوئے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، دونوں طرف لاکھوں لوگ مارے گئے، اس سے زیادہ معذور وزخمی ہوئے اور بے شمار لوگ اپنے محبوب اور عزیز وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے۔

ملک کی اس تقسیم کا سب سے زیادہ اثر ہندوستان میں باقی رہنے والے مسلمانوں پر پڑا اور ایک خاص ذہن وفکر رکھنے والوں کے نزدیک ہندوستان سے اب ان کی وفاداری مشکوک ہوگئی اور وہ خود اپنے وطن عزیز میں اپنے ہم وطنوں کے سامنے بیگانہ ہوکر رہ گئے؛ لیکن ان مسلمانوں نے آزادی کے بعد بھی حسب سابق ملک سے اپنی وفاداری کا ہمیشہ ثبوت پیش کیا، ملک کے دفاع وتحفظ اور اس کی ترقی کے لیے وہ قربانیاں پیش کیں جس کو ہندوستان کی تاریخ کا زریں باب کہا جاسکتا ہے اور وہ اپنے ہم وطنوں سے محمد حسین فطرت بھٹکلی کے الفاظ میں ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ ؎

وطن کی سرزمیں سے دم وفاداری کا بھرنا ہے
یہیں پیدا ہوئے ہیں ہم یہیں پہ ہم کو مرنا ہے

انگریزوں کی حکمرانی کے منفی پہلو:

انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں جتنا ہوسکا ہمارے ملک کی دولت کو لوٹ کر برطانیہ پہنچایا اور اس کو جو بقول خود ان کے سونے کی چڑیا تھا پسماندہ بنادیا، برطانیہ کی صنعتی چیزوں کا ہمارے ملک کو شوروم بنادیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی برآمدات میں کمی آئی اور برطانیہ کی برآمدات میں اضافہ ہوا۔

اسی طرح اپنے عہد حکمرانی کے دوران انھوں نے ملک کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو سینکڑوں سالوں سے بھائی بھائی کی طرح زندگی گزار رہے تھے، منافرت کے بیج بودیئے، ملک کا پورا نظام تعلیم بدل کر رکھ دیا، معیشت اور انتظامیہ وغیرہ کا ڈھانچہ اس طرح تبدیل کیا کہ اس میں خاص کر مسلمان فاضل عنصر بن کر رہ جائیں، اپنی تہذیب وثقافت اور قدیم کلچر سے متعلق یہاں کے باشندوں کے دلوں میں نفرت ووحشت کے بیج بودیئے، مذہبی اقدار سے عوام کو دور کیا اور مغربی تہذیب کا یہاں کے باشندوں کو اس طرح دلدادہ بنایا کہ وہ خود اپنی ثقافت وکلچر سے دور ہوگئے۔

غرضیکہ انگریزوں نے ملک کی تہذیبی وتمدنی، سماجی واقتصادی زندگی میں اپنی بے حیا مغربی تہذیب کے وہ انمٹ نقوش چھوڑے جس کو ہم لوگ اب تک بداخلاقی اور بے حیائی وغیرہ کی شکل میں ہر جگہ دیکھ رہے ہیں۔

❁❁❁❁❁

not found.

درس اتحاد

دوسری اور آخری قسط

اختلاف امت اور اتحاد کی سبیل

مولانا مفتی رحمت اللہ ندوی نیپالی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ملی اختلاف اوراصولی وجامع هدایات:

حدیث شریف میں جہاں اختلاف رونما ہونے کی پیشن گوئی کی گئی ہے وہیں اس کا حل بھی بتا دیا گیا ہے، ارشاد نبوی ہے:

"أنه من يعش منكم فسيرى اختلافاً كثيراً" جولوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ امت میں بہت سارے اختلافات برپا ہوتے دیکھیں گے، ایسے وقت میں تمہارے لیے ضروری ہوگا کہ میری سنت اور میرے برسرِ ہدایت اور پیروحق خلفاء کی سنت کو مضبوطی سے تھامے اور دانتوں سے پکڑے رہو۔

ہادئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ جامع اور اصولی ہدایت ہے جو ہر فرد امت کو اختلاف کے دور میں سنت رسول اور خلفائے راشدین کے طریقہ پر قائم رہنے کی تلقین کرتی ہے۔

اجتماعیت کے بحال کرنے کی ضرورت:

اجتماعیت کو بحال کرنے کے لیے مندرجہ بالا اصول وہدایت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، جس طرح مندرجہ ذیل دونوں آیتیں اجتماعیت کی بحالی پر زور دیتی ہیں اور اس کی ضرورت کو باور کراتی ہیں:

۲ – "ياأيهاالذين آمنوا...... واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا" ۔اے ایمان والو! اللہ کی رسی کو تم سب مضبوط پکڑلو اور علاحدہ علاحدہ نہ ہو۔(آل عمران ۱۰۲/۱۰۳)

۲ – ياأيهاالذين آمنوا ادخلوا في السلم كافة" ۔اے ایمان والو! (اللہ اور اس کے رسول کی) اطاعت میں تم سب کے سب داخل ہوجاؤ۔(بقرہ ۲۰۸)

پہلی آیت براہ راست سارے مسلمان کو متحد و منظّم رہنے کی ہدایت دیتی اور اللہ کی رسی کو باہم مضبوطی سے پکڑے رہنے کی تاکید کرتی ہے جب کہ دوسری آیت بالواسطہ اس فریضہ کی تلقین کررہی ہے کہ ہر فرد مسلم اللہ اور اس کے رسول کی کلی اور غیر مشروط اطاعت کے ذریعہ اپنی زندگیاں حوالہ کردے، تاکہ معاشرہ ایک منظّم جماعتی زندگی گزارے، اسی کے لیے اسلام سمع وطاعت کے تفصیلی احکام دیتا ہے۔

چند امور سے اجتناب ،راہ اتحاد میں معاون:

قوم وملت کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے کی کوشش اور ان کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کی سعی کرنے والے حضرات کے لیے درج ذیل امور سے پرہیز لازم ہے، جن سے باہمی فاصلے بڑھ سکتے ہیں اور دلوں میں دوری پیدا ہوتی ہے۔

۱- ایک دوسرے کے متعلق غلط فہمیاں نہ پیدا ہونے دیں اور ہر ایسے طرز عمل سے احتیاط کریں جس سے کسی کو غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے، اسی طرح یہ احتیاط بھی کرنی چاہئے کہ ہم خود کسی کے متعلق بدگمانی نہ کریں اور حتی المقدور حسن ظن رکھیں۔

قرآن کی ہدایت ہے "إن بعض الظن إثم" بعض گمان گناہ ہوتا ہے "فلولا إذ سمعتموه ظن المؤمنون بأنفسهم خيراً" ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے بات سنی تو مومنوں نے اپنے جی میں اچھا گمان کیا۔

۲-کسی کے متعلق کوئی بات سننے میں آئے تو جب تک تحقیق نہ ہوجائے اس پر یقین نہ کریں، قرآن کا حکم ہے" إذاجاء كم فاسق بنبأ فتبينوا" جب کوئی فاسق کوئی خبر دے تو اس کی تحقیق کرلو۔

اورحدیث میں ہے" کفی بالمرء کذباً أن یحدث بکل ماسمع" آدمی جھوٹا ہونے کے لیے یہی کام ہے کہ وہ ہرسنی سنائی بات بلاتحقیق بیان کرتا پھرے۔

۳-ایک دوسرے کے متعلق ہرآدمی اپنی زبان بندرکھے، آج کل اس میں اچھے اچھے غیرمحتاط ہیں، ایسی تنقید کرتے ہیں جوزہرافشانی سے کم نہیں اورایسی سخت بات کہہ دیتے ہیں کہ دل چھلنی ہوجاتا ہے۔

۴-ایک شخص کی غلطی کوبس اس کی ذات تک محدود سمجھا جائے، جس نے جوغلطی کی ہے وہی اس کا ذمہ دار ہے" لاتزر وازرة وزرأخری" کوئی نفس کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

۵-ان تمام الفاظ والقاب واصطلاحات، ان تمام جملوں، مقولوں اورلطیفوں اورایسے تمام طرزگفتگو اورطرزتحریر سے پرہیز کیا جائے جس سے کسی بھی بھائی یا کسی بھی طبقہ کی توہین ہوتی ہو، زبان وقلم کے وہ مخفی تیر ونشتر اورذوق تکلم کے وہ لطیف اشارے اورکنائے جن پرظاہری شریعت "گریبان گیر" نہ ہوسکے وہ بھی اس علیم وخبیر سے مخفی نہیں جوگوشۂ چشم کے ادنی اشاروں اوردل کے پوشیدہ رازوں تک سے باخبر ہے "یعلم خائنة الأمین وماتخفی الصدور" اور" یعلم السر وأخفی"۔

۶-ہرفرد ملت سے خوش خلقی سے پیش آنا چاہئے، خوش خلقی کا برتاؤ کرنے کا تعلق مخاطب کے اچھا یا برا ہونے سے نہیں ہوتا بلکہ وہ توہمارا اپنا وصف ہے، سامنے والے کی برائی یا اس سے ہماری ناراضی کا اثر یہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ ہم اپنی اخلاقی خوبی سے غافل ہوجائیں" بما رحمة من الله لنت لهم ولو کنت فظاً غلیظاً القلب لانفضوا من حولك" یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم ہیں اوراگر آپ درشت گو، سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے چھٹ لیتے۔

۷-جس بات اورجس شرعی معاملے کوسمجھنے کی جس میں اہلیت ہووہ اسی سے بیان کیا جائے، بسا اوقات اس سلسلہ کی ذراسی بے احتیاطی ملت میں بڑے بڑے سنگین قضیے پیدا کردیتی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے" کلموا الناس علی قدر عقولهم أتریدون أن یکذب الله ورسوله" لوگوں سے ان کا عقلی معیار دیکھ کر گفتگو کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اوراس کے رسول کی تکذیب ہو۔

۸-کسی کواس کے معتمد شخص سے بدگمان کرکے استفادہ کا راستہ بند نہ کریں اورجوشخص کسی عالم دین یا بزرگ یا صاحب فہم شخص سے وابستہ ہوان صاحب سے اس کی عقیدت اورحسن ظن کومجروح نہ کیا جائے، کیونکہ ہمیں کیا خبر اللہ تعالی اپنے بندوں کوکہاں کہاں سے اورکس کس کے ذریعہ ہدایت کا پیغام دیتا ہے، ملت کا ہرشخص پڑھا لکھا نہیں ہے، اپنی الجھنوں کے حل اورمسائل کی تعلیم کے لیے اس کا کسی نہ کسی سے وابستہ رکھنا بھی ضروری ہے۔

۹-علمی اختلاف کا دائرہ صرف مدرسہ کی علمی بحثوں کے اندر ہونا چاہئے نہ کہ عوامی پلیٹ فارم پر، علمی اختلافات ہمیشہ سے موجود رہے ہیں، غلطی یہ ہے کہ ان کا فیصلہ چوراہوں پر کیا جائے۔

۱۰- اختلافات کا اظہار اگر ضروری ہوتو نہایت شریفانہ بلکہ ہمدردانہ زبان میں ہونا چاہئے۔

۱۱-فروعی مسائل میں الجھنا اورقوم کوالجھانا بڑے خطرے کی بات ہے اوریہ کبھی بھی اورکسی حال میں مناسب نہیں، بلکہ ہردور میں اس کے مضراثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۱۲- بحث وجدال میں نہ پڑا جائے کیونکہ اس کا نتیجہ ہمیشہ دوری اورنفرت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، جب دوستوں اورقریبی عزیزوں تک میں بحث ومباحثہ نفرت کے بیج بودیتا ہے تو دوسروں کا کیا ذکر۔

۱۳-بات جب بحث ومباحثے پرآجاتی ہے توسمجھنے اورسمجھانے کا سچا جذبہ مغلوب ہوجاتا ہے اوراپنی اپنی بات منوانے کا جذبہ غالب آجاتا ہے، جس کا انجام صرف محنت ضائع ہونا ہوتا ہے بلکہ اس کا الٹا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہرفریق اپنے موقف کے لیے طرح طرح کے مزید دلائل فراہم کرنے لگتا ہے اوردلیل ملے نہ ملے ہرصورت میں اس میں ضد اور آڑ اوراپنی بات کی پیچ کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے، ہمدردانہ ودوستانہ افہام وتفہیم کے بجائے معاملہ کو بحث وجدال میں ڈال دینا مخاطب کونادانستہ

طور پر اس کی اپنی روش پر پختہ کردینے کے مرادف ہے، جو بڑا سنگین فتنہ ہے لیکن ایسے معاملات میں مخاطبین ہی میں نہیں بلکہ سمجھانے والوں میں بھی نفسانیت آ جاتی ہے، جس سے بچنا سخت دشوار کام ہے، اس لیے بحث وجدال سے بچنے پر حدیث میں بڑی خوشخبری دی گئی ہے، اورحضور کی سیرت سے بھی یہی سبق ملتا ہے۔

اگر مذکورہ بالا امور کو پیش نظر رکھ کرمختلف قسم کے معاشرتی حقوق اور اخلاقی تقاضوں کا لحاظ رکھاجائے اور جماعتی حد بندیوں اورمختلف مصلحتوں کواس میں حائل نہ ہونے دیا جائے تویقین ہے کہ ضرور ملت کےمختلف طبقات کے درمیان قرب ویگانگت اورصلح وآشتی کی فضا قائم ہوجائے گی اور فاصلے بڑی حدتک سمٹ کرگھٹ جائیں گے۔

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

اتحاد کی سبیل اوراس کے لیے مطلوبہ اوصاف:

مسلمانوں کا کسی بھی مرکز اورکسی بھی طرح متحد ہوجانا ’’اسلامی اتحاد‘‘اور’’ملی تنظیم‘‘نہیں ہے بلکہ صرف اللہ کی کتاب اوراس کے رسول کی سنت کے مطابق جمع اورمنظم ہونا اسلامی اتحاداورملی تنظیم ہے، بقول علامہ سیدرشیدرضامصری کے:

’’زمانہ نبوت میں مسلمانوں کی ایسی ہیئت اجتماعی سے تعلق تھا جو کتاب وسنت کے احکام زیرعمل لاکر دین کوقائم رکھے۔(تفسیر المنارصفحہ ۳۲۷)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا علیہ الرحمہ ’’اسلامی سیاست‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’ایک چیز اوربھی نہایت قابل اہتمام ہے غور سے سنو کہ اختلاف رائے خواہ ممدوح ہو یا مذموم کسی اختلاف میں حدود سے تجاوز کرجانا اورمخالفین کے ساتھ اعتدال سے بڑھ کر معاملہ کرنا اسلامی تعلیم کے منافی ہے‘‘قرآن پاک کاارشاد ہے’’ ولا یجرمنکم شنآن قوم أن صدو کم عن المسجدالحرام أن تعتدوا‘‘۔(مائدہ۲)

ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جواس سبب سے بغض ہے کہ انہوں نے تم کومسجد حرام میں جانے سے روک دیا ہے، وہ بغض تمہارے لیے اس کا باعث بن جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ،غور کرو کہ یہاں کفار کی مخالفت کیسی سخت اور مذموم تھی لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کوان کی مخالفت میں بھی حد سے تجاوز کرنے کی ممانعت کردی گئی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ اختلاف رائے نہیں ہوتا یا اختلاف مسائل نہیں ہوتا یا آپس کا نزاع نہیں ہوتا، یہ سب چیزیں ہمیشہ ہی سے ہوتی آئی ہیں، اوررہیں گی، مخالفین ممدوح بھی ہیں اور مذموم بھی، مگر کونسی چیز ہمارے لیے ایسی ہے جس کے بارے میں ہمارے پاس اسلاف کی رائے، ان کا فعل، ان کا عمل مشعل ہدایت نہیں ہے، آپس کی مخالفت کے قصے دیکھنا ہوتو صحابہ کرام کے اختلافات دیکھو کہ وہ آپس میں لڑ کر اس تعلیم کو بھی پورا فرما گئے ہیں‘‘۔(اسلامی سیاست صفحہ ۲۲۶/۲۲۷)

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم اپنے حال ومستقبل کے خطرات، بنیادی خرابیوں اورکمیوں، زوال وادبار کے اسباب اورموجودہ مسائل ومشکلات پرغور وخوض کرکے تدارک وتلافی کی فکر اور راہ نجات کی تلاش کرتے لیکن افسوس اس کے بجائے ہم بالکل معمولی معمولی باتوں میں اپنی ساری توانائیاں ضائع کررہے ہیں اوراپنے مستقبل کو حال سے بھی زیادہ تاریک تر بنانے میں مصروف ہیں، حالانکہ ہمیں ہدایت دی گئی تھی کہ ہم عبادات میں اتباع کا طریقہ اپنائیں اور دنیاوی امور میں ایجاد واختراع سے کام لیں لیکن ہم نے دنیاوی امور میں جمود وتعطل اختیار کرکے ان میں ترقی کے مواقع دوسروں کے لیے چھوڑ دیئے ہیں اور عبادات کی چیزوں میں دن رات جدت طرازیوں، موشگافیوں اوردور ازکار اورلاطائل اختلافات میں مشغول رہنا ہی پسند کرتے ہیں۔

ہرشخص نوحہ کناں اورشکوہ سنج نظر آتا ہے کہ مسلمانوں میں اتحادنہیں مسلمان لیڈروں میں اتحادنہیں، مسلم تنظیموں میں اتحادنہیں، عرب ملکوں میں اتحادنہیں، عالم اسلام میں اتحادنہیں، لیکن زبان سے اتحاد کا لفظ بار بار دہرانے سے اتحادنہیں پیدا ہوتا اور نہ ہی اتحاد کی تمنا کرنے سے

اتحاد پیدا ہوتا ہے، اتحاد دراصل کچھ اخلاقی خصوصیات کا حاصل ضرب ہے، یہ خصوصیات جب افراد کے اندر پیدا ہوجاتی ہیں تب خاندان میں اتحاد پیدا ہوتا ہے، جماعتوں میں اتحاد پیدا ہوتا ہے، جتنے بڑے پیمانہ پر یہ خصوصیات پیدا ہوجائیں گی اتنے بڑے پیمانے پر اتحاد بھی وجود میں آئے گا، یہاں تک کہ پوری امت مسلمہ متحد ہوجائے گی، جوشخص کہ واقعی اسلامی اتحاد کا خواہاں ہے، اسے سب سے پہلے اپنی ذات کے اندر درج ذیل اخلاقی خصوصیات اور اسلامی قدروں کو پیدا کرنا چاہئے اور جب خود پورے طریقے سے ان پر عامل ہوجائے تو پھر دوسروں کو بھی ترغیب دینا چاہئے۔

۱- اپنے مفاد سے بڑھ کر دوسرے کے مفاد کا خیال "ویؤثرون علی أنفسهم ولو کان بهم خصاصة"۔

۲- دنیوی دولت اور وجاہت اور عہدوں کے حصول کو سب سے بڑی کامیابی نہ سمجھنا اور اس میں دل کو نہ اٹکانا" قل متاع الدنیا قلیل" اور" اللهم لاتجعل الدنیا أکبر همنا ولا مبلغ علمنا ولا غایة رغبتنا"۔ (ماثور دعاء)

دولت اور عہدہ کا حصول کسی اچھے اخلاقی مقصد کے لیے درست ہے اور اس کے لیے صحت مندانہ مسابقت کی گنجائش بھی نکل سکتی ہے، لیکن اگر ان چیزوں میں انسانی دل کو اس قدر اٹکالے کہ اسے زندگی کی سب سے بڑی ہار اور جیت سمجھنے لگے تو یہ چیز بغض وحسد اور باہمی منافرت پیدا کرے گی اور باہمی اتحاد کو ختم کرے گی، اس لیے قرآن میں حکم ہے کہ کسی کامیابی پر حد سے زیادہ خوشی نہیں ہونی چاہئے اور کسی ناکامی پر حد سے زیادہ غم اور ملال نہیں ہونا چاہئے "لکیلا تأسوا علی مافاتکم ولا تفرحوا علی ماآتاکم"۔

۳- تیسری خصوصیات زبان کی احتیاط ہے، استہزاء وتنقید اور غیبت سے مکمل گریز ہے، اور دوسروں کا اکرام واحترام ہے" لایغتب بعضکم بعضاً" کسی ادارے یا تنظیم کے لیے کوئی مسرت افزا بات ہوئی ہو، یا کوئی اجتماعی کامیابی حاصل ہو تو دوسروں کو اس کا کریڈٹ دینا اور دوسروں کی صلاحیتوں اور خدمات کا اعتراف کرنا دل کی بڑائی ہے اور کامیابی کا سہرا اپنے سر باندھنے کی کوشش کرنا تنگ دلی ہے، ان ہی چھوٹی چھوٹی لیکن قیمتی باتوں کا خیال کرنے سے اتحاد پیدا ہوتا ہے اور ان کے مخالف کرنے سے اختلاف اور افتراق پیدا ہوتا ہے، عجیب بات ہے کہ ہم میں سے ہر شخص خود ان برائیوں میں مبتلا رہتا ہے اور اختلاف اور آپس کی پھوٹ کا ذمہ دار دوسروں کو ٹھہراتا ہے، زبان سے ہر وقت مسلمانوں کے اختلاف کا رونا روتا ہے۔ (ملاحظہ ہو حالات بدل سکتے ہیں صفحہ ۹۶/۹۵)

اتحاد پیدا کرنے کے آزمودہ اور مجرب نسخہ پر ہر ایک کو عمل کرنا چاہئے اگر کوشش کے باوجود اپنی کمزوریوں پر قابو نہ پاسکے تو اسے اکرام مسلم سے متعلق حدیثوں کا مطالعہ کرنا چاہئے اور کسی روحانی طبیب کی طرف رجوع کرنا چاہئے، مسلمانوں کے مسائل کا اصل حل شاہ کلید سیرت طیبہ ہے، اس لیے اس کی طرف پوری توجہ دینی چاہئے اور سیرت کی کتابوں کے مطالعہ کا اہتمام بہت زیادہ کرنا چاہئے، اسی طرح اتحاد کے لیے صبر کی عادت بھی ضروری ہے، قرآن وحدیث میں بار بار صبر کی تلقین کی گئی ہے، مومن کو مشتعل نہیں ہونا چاہئے:

''اتحاد کا لفظ زبان پر دہراتے رہنے سے اتحاد نہیں پیدا ہوتا جس طرح پانی آکسیجن اور ہائیڈروجن سے مرکب ہوتا ہے، اسی طرح سے اتحاد بھی کچھ صفات سے مرکب ہوتا ہے، اتحاد پیدا کرنے کے لیے اپنے اندر کچھ صفات کا پیدا کرنا ضروری ہے اور وہ صفات ہیں مسلمانوں کا احترام اور ان سے محبت اور اپنے مفاد سے زیادہ دوسروں کے مفاد کی حفاظت اور عیب چینی اور غیبت کی عادت سے مکمل پرہیز، جب یہ صفات پیدا ہوجاتی ہیں تو ایک مسلمان دنیا کے تمام مسلمانوں سے محبت اور اتحاد کے رشتہ سے بندھ جاتا ہے''۔ (حالات بدل سکتے ہیں صفحہ ۱۶۸)

مختلف طبقات ملت کے باہمی حالات کے جائزے اور طویل غور وفکر اور صحابۂ کرام وتابعین عظام کے معاشرے کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مسالک اور مکاتب فکر کے ہزار اختلافات

کے باوجود اگر مسلمانوں کے مختلف طبقات کے درمیان اسلامی اخوت کے رشتے استوار اوران کے معاشرتی تعلقات ہموار ہوں تو اس میل جول اوراس قرب و یگانگت سے سینکڑوں خلیجیں دور ہوتی ہیں اور وقتاً فوقتاً کھڑی ہونے والی سینکڑوں تفریق کی دیواریں خود بخود منہدم ہوتی رہتی ہیں''۔ (مسلک کا فرق اور ملی اتحاد صفحہ ۹)

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک درخت ہے اور فقہی احکام اور جزوی مسائل اس کی شاخیں اور پتیاں ہیں، ملت کے تمام افراد جس رشتۂ اخوت میں بندھے ہوئے ہیں وہ اصل اسلامی رشتہ ہے، جو ایک بنیادی رشتہ ہے۔

اتحاد کے مطلوبہ اوصاف میں بحث ومباحثہ سے گریز بھی ہے، اگر آدمی بحث ومباحثہ سے بچتے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں سے میل جول اور معاشرتی تعلقات برقرار رکھے تو نہ صرف یہ کہ بہت سی غلط فہمیاں ختم ہو جاتی ہیں بلکہ باہمی تعاون کی نئی راہیں کھلتی ہیں اور خود متنازعہ مسائل کے بارے میں بھی ایک دوسرے کے لیے گوشہ نرم اور جذبۂ ہمدردی پیدا ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ''لوگو! فرمانبرداری کو اپنا شیوہ بنالو اور اجتماعیت کو قائم رکھے رہو یہی اللہ تعالی کی وہ محکم رسی ہے جسے مضبوط پکڑے رہنے کا اس نے حکم دیا ہے'' وان ماتکرھون فی الجماعة خیر مماتحبون فی الفرقة'' تمہیں اجتماعیت میں جو کوئی بات بری نظر آتی ہے وہ اس بھلائی سے بہت بہتر ہے جو تمہیں افتراق وانتشار میں نظر آتی ہے، یعنی اجتماعیت کو بہت سی خرابیوں کی قیمت پر بھی برقرار رکھنا ضروری ہے اور افتراق وانتشار کو بہت سی خوبیوں کی قیمت پر بھی ہرگز گوارا نہیں کرنا چاہئے۔

اسلام کا مطلوبہ مثالی معاشرہ:

اللہ تعالی چاہتا ہے کہ مسلم معاشرہ میں باہمی اعتماد کی فضاء قائم ہو اور خوشگوار تعلقات کا ماحول پیدا ہو، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرتی تعلقات کی درستی کو نماز، روزہ جیسے ارکان اسلام سے بھی زیادہ اہم قرار دیا ہے۔

مسلمانوں کا آپس میں اس عظیم وبلند اور طاقتور رشتے کو ان جزوی اختلافات کی وجہ سے نظر انداز کرنا سخت غفلت اور بڑی حقیقت ناشناسی کی علامت اور احکام شریعت کی باہمی درجات ومراتب کو نہ پہچاننے کی دلیل ہے، افسوس کی بات ہے کہ اس وقت مسلم معاشرہ کا حال بڑا ابتر ہے، زبان کھلتی ہے تو غیبت اور بدگوئی پر کھلتی ہے، دوسروں کی اچھی باتوں اور نیک کاموں کے تذکرہ میں بخل سے کام لیا جاتا ہے، کشادہ دل کے بجائے تنگ، وسعت ظرفی کے بجائے تنگ ظرفی کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔

حالانکہ اسلام میں جو معاشرہ مطلوب ہے وہ اخلاص کی روح کے ساتھ خوشگوار تعلقات کا معاشرہ ہے، وہ ایسا معاشرہ ہے جس میں صرف بظاہر نہیں بلکہ بباطن بھی ایک دوسرے سے محبت ہوتی ہے اور آپس کا اعتماد باقی رہتا ہے۔

معاشرے کی اصلاح اسلام کی بنیادی مقاصد میں سے ہے، قرآن مجید اور سنت نبوی میں کفر وشرک کے بعد جس کی سب سے زیادہ مذمت کی گئی ہے وہ یہی تفریق اور معاشرے کا بگاڑ ہے۔

آج مسلمانوں پر ہر طرف سے نکبت وذلت کی یورش ہو رہی ہے اس کا بڑا سبب یہی تشتت وافتراق ہے، ایک اللہ کو ماننے والی جماعت، ایک رسول پر ایمان لانے والی اور ایک کلمہ کی لڑی میں پروئی ہوئی امت، ایک قبلہ کی طرف رخ کرنے والی جماعت، دوسری قوموں کی دسیسہ کاریوں اور مکاریوں کی بدولت نسلی، لسانی، وطنی قومیتوں کی نذر ہوگئی اور عربی، مصری، شامی، ترکی، ایرانی، چینی، ہندوستانی اور پاکستانی خانوں میں بٹ گئی ہے، حالانکہ یہ تقسیم محض تعارف وامتیاز کے لیے تھی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے ''وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا'' ہم نے تمہیں خاندانوں اور قبیلوں میں تعارف کے لیے تقسیم کیا مگر آج اخوت وہمدردی بھی تقسیم ہوگئی اور معمولی معمولی اور ادنی خواہشات پر بڑے سے بڑے تعلق کو قربان کر دیا جارہا ہے، جب کہ موجودہ

مسلمانوں کی صورتحال میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے آپسی اختلاف کو بالائے طاق رکھ کر متحد ہوں، متفق ہوں اور اپنا معاشرہ ایسا اسلامی اور مثالی معاشرہ بنائیں کہ اس سے عہد اول کی یاد تازہ ہوجائے اور علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا یہ خواب بھی شرمندۂ تعبیر ہوجائے اور ہم اس شعر کے مصداق بن جائیں۔

بتان رنگ و بوکو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ ایرانی رہے باقی، نہ تورانی، نہ افغانی

اتحاد کی ابتداء کہاں سے ہو؟

پوری ملت اسلامیہ ایک جسد واحد ہے اور مسلمان خواہ کہیں ہو اس جسد کے اعضاء ہیں، اسی رشتۂ اتحاد کا عملی اظہار سب سے پہلے گھر، خاندان، اپنے محلے، اپنے دفتر، اپنے شہر اور ملک کے مسلمانوں کے ساتھ ہونا چاہئے اگر ہم اپنے دائرہ کار اور اپنی سوسائٹی کے اندر رواداری، دلداری، ہمدردی، تعاون، حلم، سیر چشمی اور عفوودرگزر کا برتاؤ نہیں کرتے ہیں، اگر ہماری زبانیں تنقید کے لیے بے لگام رہتی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان صفات سے محروم ہیں جن کے مجموعہ سے اتحاد وجود میں آتا ہے، پھر ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ پوری اسلامی دنیا پر تنقید کریں کہ وہ متحد نہیں، عام حالات میں دوسروں کے ساتھ معاملات میں زبان کی نرمی اور شائستگی کا خاص طور پر خیال ہونا چاہئے، کیونکہ تلوار اور ہتھیار کا زخم تو آسانی سے بھر جاتا ہے، لیکن زبان کا زخم آسانی سے نہیں بھرتا۔

تیر کا، تلوار کا تو گھاؤ بھرا ہے
لگا جو زخم زباں کا رہا ہمیشہ ہرا

خوش زبانی اور خوش بیانی سے بڑھ کر کوئی اور ملاطفت اور شرافت نہیں، ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کیا میں تمہیں بتاؤں کہ دوزخ والے کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا ضرور بتایئے یارسول اللہ! آپ نے فرمایا ''درشت مزاج، بدمزاج، شیخی بگھاڑنے والا مغرور''۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کے پاس بھیجا تو تاکید کی'' قولا لہ قولاً لیناً ''اس سے بہت نرمی کے ساتھ پیش آنا، مخالف دشمن کے ساتھ بھی گفتگو میں نرم زبانی اور حسن اخلاق کی تاکید کی گئی ہے، اکبرالہ آبادی نے شریں زبانی کو جہاں بانی تک پہنچنے کا ذریعہ بتایا ہے۔

بنو گے خسروئے اقلیم دل شیریں زبان ہوکر
جہاں گیری کرے گی یہ ادا نور جہاں ہوکر

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اجتماعیت اور اتحاد واتفاق کی بڑی اہمیت اور اس دور اختلاف وافتراق میں اسے پھر سے بحال کرنے کی سخت ضرورت ہے، جس کی آسان صورت ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح سلوک کیا جائے کہ اس کی خوبیوں کا خوب تذکرہ اور لغزشوں سے چشم پوشی کا معاملہ کیا جائے، کیونکہ دوسروں کی نیکیوں اور خوبیوں کا تذکرہ کرنے سے نیکیوں اور خوبیوں کا چمن لہلہاتا ہے اور پوری ملت ایک جسد واحد کی مانند ہوتی ہے کہ کسی ایک عضو میں کانٹا چبھے تو پورا جسم کرب اور بے چینی محسوس کرے۔

آج صورت حال یہ ہے کہ کوئی مسلم ملک دنیا کے سیاسی نقشہ پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، ایسے نازک وقت میں باہمی افتراق اور باہمی جدال کا وبال سارے مسلمانوں پر پڑے گا، مسلکی اختلافات اور جماعتی تعصب اور بغض کبھی کسی حالت میں پسندیدہ بات نہیں اور موجودہ حالات میں تو خودکشی کے مرادف ہے، ہمیں نشیمن سے زیادہ شاخ نشیمن کی فکر ہونی چاہئے، جس پر ہر مکتب فکر کے لوگوں کا نشیمن ہے؛ کیونکہ شاخ ہی باقی نہ رہی تو نشیمن کہاں باقی رہیں گے، ملت کے مفاد کو مقدم رکھنا ضروری ہے، جماعتیں اور تنظیمیں ملت کے لیے ہیں، ملت تنظیموں اور جماعتوں کے لیے نہیں ہے۔

ایسے محل پہ دوستو! رخنہ گری ہے خودکشی
ہم بھی اسی جہاز میں، تم بھی اسی جہاز میں

اب سوچئے! شیرازۂ ملت کا بکھر جانا اور "واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً و لاتفرقوا" جیسے بنیادی مطالبہ دین کا فراموش ہو کر رہ جانا دین کے ناقص ہونے کی بات ہوگی یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا ایک ہی جواب ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ اگر چند قبائل کا حکومت کو زکوۃ ادا کرنے سے انکار کرنا دین کے ناقص ہونے کے ہم معنی ہے تو پوری امت کا سرے سے بے امام اور بے نظام بن جانا اور بے شمار احکام شریعت کا معطل ہونا یقیناً دین کے ناقص ہی نہیں بلکہ ناقص تر اور اپاہج بن جانے کے ہم معنی ہوگا، اگر حقیقت یہ ہے تو اس کی موجودگی میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی صرف یہی ہوسکتی ہے کہ ملت کو پھر سے شیرازہ بند کیا جائے اور اس کی کھوئی ہوئی منظم زندگی اسے واپس دلا دی جائے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے باہمی اتحاد و اتفاق کا پیغام اپنے بہت سے اشعار میں دیا ہے: مثلاً

بتان رنگ و بو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ ایرانی رہے باقی، نہ تورانی، نہ افغانی

مصاف زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر
شبستان محبت میں حریر پرنیاں ہو جا

گزر جا بن کے سیل تند رو کوہ و بیاباں میں
گلستاں راہ میں آئے تو جو لے نغمہ خواں ہو جا

موضوع سے متعلق اسی طرح کا یہ شعر ہے

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

پوری امت مسلمہ کو اتحاد کے لیے للکارتے ہوئے اس طرح دعوت دی ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

عالم اسلام کے منظر نامہ پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالنے اور قدم مسلم کی بگڑتی ہوئی صورت حال میں بلاشبہ اس کی سخت ضرورت اور حالات و وقت کا اہم تقاضہ ہے کہ مسلمان پاسبان حرم بننے اور بھٹکے ہوئے آہوؤں کو سوئے حرم لے جانے کے لیے نیل کے ساحل سے لے کر کاشغر کی خاک تک کے جملہ مسلمان متحد ہوں، بغیر باہمی اتحاد و اتفاق کے کچھ ہونے والا نہیں ہے، اللہ ہر فرد مسلم کو اس کی پوری توفیق دے۔

❁❁❁❁

﴿بقیہ صفحہ ۱۸ رکا﴾ضروری ہے کہ مقتدی اقتداء کے وقت امام سے آگے نہ بڑھے، اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ شرط نہیں ہے، اور امام کی متابعت ہی اقتداء کے جواز کے لیے کافی ہے" ان کی دلیل یہ ہے کہ اقتداء کے لیے صرف نماز میں متابعت لازمی ہے، اور جگہ نماز کا حصہ نہیں، لہٰذا اس میں متابعت لازم نہ ہوگی، اس کی مثال یہ ہے کہ امام کعبۃ اللہ کے پاس مقام ابراہیم پر ہو اور لوگ بیت اللہ کے ارد گرد صف آرا ہوں تو ظاہر ہے کہ اکثر لوگ امام سے آگے ہوں گے۔

ہماری دلیل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ "لیس مع الامام من تقدمہ" امام سے آگے بڑھنے والا امام کے ساتھ نہ ہوگا، چونکہ امام سے آگے بڑھنے سے مقتدی پر امام کا حال مشتبہ ہو جائے گا یا امام کی متابعت کے لیے بار بار پیچھے دیکھنے کی ضرورت ہوگی جس سے پوری متابعت نہیں ہوگی، نیز جگہ (مکان) شرائط نماز میں داخل ہے، اور اقتداء نماز میں کامل پیروی کا نام ہے، چنانچہ جگہ بھی اس میں شامل ہوگی، اسی وجہ سے اگر امام اور مقتدی کے درمیان کوئی نہر یا راستہ حائل ہو تو اتحاد مکانی نہ ہونے کی وجہ سے امام کی اقتداء صحیح نہیں ہوگی، ایسے ہی یہ مسئلہ ہے بخلاف کعبہ کے پاس نماز پڑھنے کے کیونکہ اگر اس کا چہرہ جب امام کی طرف ہوگا تو تبعیت منقطع نہیں ہوگی اور اس کو قبلہ نہیں کہیں گے، بلکہ باہم وہ آمنے سامنے ہوں گے، جس طرح کہ جب وہ امام کے محاذات میں کھڑا ہوا اور قبلہ تو اس وقت ہوگا جب کہ اس کی پشت امام کی طرف ہو، اور یہ چیز ہے نہیں، اور ایسے ہی اس پر امام و مقتدی کی حالت بھی مشتبہ نہیں ہے۔ ❁

تجاویز

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا اٹھارہواں سیمینار

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نئی دہلی

''اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا'' برصغیر کا ایک ایسا معتبر علمی وفقہی ادارہ ہے جس کو نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں عزت ووقعت اور توقیر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اکیڈمی عصر حاضر میں پیدا ہونے والے شرعی وفقہی مسائل کو اجتماعی طور پر حل کرنے کے لیے ہر سال فقہی سیمینار منعقد کرتی ہے، ان سیمیناروں میں کشمیر وآسام سے لے کر کیرالہ اور کنیا کماری تک کے اصحاب افتاء کی بڑی تعداد شریک ہوتی ہے، جو مختلف اہم تعلیم گاہوں اور فقہی مسالک کی نمائندگی کرتے ہیں، اب تک اس کے سترہ سیمینار منعقد ہو چکے ہیں، جن میں ۷۵/ موضوعات سے جڑے ہوئے چار سو سے زیادہ مسائل پر علماء نے متفقہ طور پر فیصلہ کئے ہیں۔

اکیڈمی کا اٹھارہواں سیمینار مورخہ ۲/۴ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۸/فروری اور ۱/۲/ مارچ ۲۰۰۹ء کو ریاست تملناڈو کے مشہور تجارتی شہر مدورائی میں ''جامعۃ الریحان'' کے زیر اہتمام منعقد ہوا، جس میں پورے ملک سے تقریباً ڈھائی سو علماء ومفتیان کرام نے شرکت کی، ان کے علاوہ متحدہ عرب امارات، قطر، بحرین اور سری لنکا سے بھی ممتاز علماء شریک ہوئے، اس سیمینار میں موجودہ عالمی اور سماجی حالات وضرورتوں کے پس منظر میں چار موضوعات پر بحث ہوئی اور باتفاق رائے تجاویز منظور کی گئیں، یہ تجاویز حسب ذیل ہیں:

قیدیوں کے حقوق:

عصر حاضر میں بیرون ملک میں قیدوں کے بدسلوکی کے واقعات جس کثرت سے پیش آرہے ہیں وہ ہر انسان دوست اور انصاف پسند شخص کے لیے لمحۂ فکریہ ہے، اس تناظر میں اسلامک اکیڈمی انڈیا کا یہ سیمینار اسلامی واخلاقی نقطہ نظر کو واضح کرتے ہوئے درج ذیل تجاویز منظور کرتا ہے۔

۱-کوئی شخص جرم کا مرتکب ہو تب بھی اس کے انسان ہونے کے حیثیت سے انسانیت باقی رہتی ہے، اسے اس کی جرم کی سزا ضرور ملنی چاہئے لیکن وہ انسانی توقیر واحترام کے حق سے محروم نہیں ہو جاتا۔

۲-اگر کسی شخص پر جرم کا الزام ہو تو جب تک وہ پایۂ ثبوت کو پہنچ نہیں جائے اس کو مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ اس کے ساتھ مجرموں جیسا سلوک کیا جا سکتا ہے۔

۳-کسی الزام کی بنیاد پر قید کرنا جائز ہے، بشرطیکہ کسی قوی قرینہ سے ہی الزام کی تائید ہو رہی ہو، یا ملزم پر شک کئے جانے کی واضح علامتیں موجود ہوں اور ایسی صورت میں قید کی مدت عدالت کی صوابدید پر ہے، لیکن یہ مدت اتنی طویل نہ ہونی چاہئے جو کسی ثابت شدہ جرم پر دی جاتی ہے۔

۴-قیدیوں کے حقوق: بلاتفریق مذہب جملہ قیدیوں کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق عبادت وعمل کی آزادی حاصل ہوگی، نیز اس کی مذہبی تعلیمات کے مطابق اس کے لیے غذا فراہم کی جائے گی اور وہ جس مذہب پر عقیدہ رکھتا ہے، اس مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں وغیرہ کی بے احترامی سے گریز کیا جائے گا۔

قیدیوں کو جسمانی ضروریات مثلاً مناسب غذا، صاف پانی اور موسم کے لحاظ سے کپڑے، نیز علاج ومعالجہ کی سہولیات فراہم کی جائیں گی،

ان کی حفظانِ صحت کے لیے ورزش کی اجازت ہوگی۔

قیدیوں کو ایسی تنگ جگہ میں رکھنا درست نہیں، جہاں ٹھیک سے کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا ممکن نہ ہو یا ہوا اور روشنی کا مناسب نظم نہ ہو۔

قیدیوں کو سماجی حقوق مثلاً: تعلیم و ہنر سیکھنے، عام حالات میں دیگر قیدیوں سے ملاقات کرنے اور عزیز و اقارب سے رابطہ کرنے کے حقوق حاصل ہوں گے، جہاں تک ریڈیو اور ٹی وی کا تعلق ہے تو یہ عموماً تفریحی چیزوں کا حصہ ہوتی ہے، لہٰذا اس کی اجازت دینا ضروری نہیں، البتہ اخبارات پڑھنے کی اجازت دینا حکومت کی صوابدید پر ہے۔

مردوں اور عورتوں کو الگ الگ قید خانوں میں رکھا جائے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ عورتوں کے حصہ کی نگراں افسر بھی خاتون ہی ہو زمانۂ قید خانہ میں اندرونی دیکھ بھال کا کام بھی عورتیں ہی سنبھالیں اور اس طرح نابالغ اور بالغ قیدیوں کو بھی الگ الگ رکھا جائے۔

۵- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لیے قیدیوں کا نارکو ٹیسٹ کرنا، انہیں بے لباس کرنا، الکٹرک شاک لگانا، ان پر کتے چھوڑنا، ان کو برف کی سلوں پر ڈالنا، انہیں مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا اور اس کے ان کی جائے رہائش میں تیز روشنی کرنا یا تیز آواز سنانا یہ تمام امور ناجائز، غیر اخلاقی اور غیر انسانی ہیں، اسی طرح ایسی سزائیں جن سے کسی عضو کو نقصان پہنچے، یا اس کے تلف ہوجانے کا اندیشہ ہو یا ذہنی و دماغی صحت متاثر ہونے کا خطرہ ہو یہ سب حرام ہے۔

۶- قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنا، ہتھکڑی پہنانا یا بیڑی ڈالنا شرعاً ناجائز ہے، البتہ اگر قیدی خطرناک اور عادی مجرم ہو جس کے فرار ہونے کا یا خود کو یا دوسروں کو نقصان پہنچانے کا اندیشہ ہو تو اس کو قابو میں رکھنے کے لیے قانون کی حدود میں مناسب تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے۔

۷- اگر مصلحت متقاضی ہو تو مجرم کو اتنے دنوں کی قید تنہائی دی جاسکتی ہے جس کی میڈیکل آفیسر اجازت دے اور یہ اتنی طویل نہ ہو کہ قیدی ذہنی مریض ہوجائے۔

۸- جبری کام لیا جانا اگر سزا کا حصہ ہو تو بطور تعزیر قیدی سے اس کے حسب طاقت جبری کام لیا جاسکتا ہے اور اس صورت میں شرعاً وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا، البتہ حکومت اپنے قانون کے تحت اجرت دے تو یہ اس کے لیے حلال ہوگی بصورت دیگر وہ اجرت کا مستحق ہوگا۔

۹- زیر سماعت قیدیوں کو اصولی طور پر بے قصور تصور کیا جائے، ایسے قیدی مجرم نہیں، بلکہ ملزم ہوتے ہیں، ان کے ساتھ مجرموں جیسا رویہ ہرگز نہ اختیار کیا جائے، لہٰذا ان سے جبری کام لینا درست نہیں اور دیگر قیدیوں کے مقابلہ میں ان کے ساتھ اچھا سلوک ضروری ہے۔

۱۰- زیر سماعت قیدیوں کو سماعت سے پہلے اتنے دنوں تک قید میں رکھنا جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا کے برابر ہے درست نہیں نیز فیصلے یا تحقیق حال میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے کہ دوران مقدمہ قید کی مدت سزا کی مدت سے لمبی ہوجائے اور اگر ایسا ہو تو اسے فوراً رہا کردیا جائے۔

۱۱- بے قصور قیدی کو زمانہ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت کا مالی ہرجانہ دینا واجب ہے۔

۱۲- قیدی کو مقدمات کے سلسلہ میں وکیل سے رابطہ کرنے، اپنے عزیز و اقارب سے مشورہ کرنے اور اپنی صفائی پیش کرنے کے ساتھ حقوق حاصل ہوں گے۔

۱۳- خواتین قیدیوں کے اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کی اجازت ہوگی۔

۱۴- اجلاس نے محسوس کیا کہ ملک میں قید خانوں اور قیدیوں کے تعلق سے جو قوانین اور قواعد نافذ ہیں ان میں اکثر ان امور کا لحاظ رکھا گیا ہے جو اسلامی نقطۂ نظر سے اوپر بیان کئے گئے ہیں، تاہم عملاً ان کو بہت کم نافذ کیا جاتا ہے، اس لیے یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ مذکورہ تمام حقوق قیدیوں کو عملی طور پر دیئے جائیں، اجلاس میں اس احساس کا بھی اظہار ہوا کہ عام طور پر کسی ٹھوس شہادت کے بغیر قانون اور سپریم کورٹ کی ہدایات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے شہریوں کو گرفتار کیا جاتا ہے، گذشتہ چند سالوں میں مسلم نوجوانوں کی اس طرح گرفتاری کی متعدد

واقعات ہو چکے ہیں، جنھیں گرفتار کرنے کے بعد اذیت پہنچائی جاتی ہے، ٹارچر کیا جاتا ہے، کئی دنوں تک اپنی تحویل میں رکھنے کے بعد پولیس ان کی گرفتاری درج کرتی ہے اور عدالت میں پیش کرتی ہے، پولیس اور نفاذ قانون کے اداروں کے اس رویہ اور حکومت کی چشم پوشی کے نتیجے میں ملک میں اضطراب اور بے چینی کی کیفیت پیدا ہورہی ہے اور ملک کی جمہوریت داغدار ہورہی ہے، اس لیے یہ اجلاس مرکزی اور ریاسی حکومتوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ پولیس کو قانون وقواعد اور سپریم کورٹ کی ہدایات کا پابند بنائے، اس کی خلاف ورزی کرنے والے عہدہ داروں کے خلاف عبرتناک کارروائی کرے اور سخت ہدایات جاری کی جائیں کہ قوی اور ٹھوس بنیاد کے بغیر کسی کو گرفتار نہ کیا جائے اور تعذیب اور ٹارچر کا طریقہ بالکل ختم کردیا جائے۔

۱۵- اجلاس کا یہ بھی احساس ہے کہ امریکہ اور بعض یورپی ممالک نے دہشت گردی کا بہانہ بنا کر مختلف مقامات پر جو عقوبت خانے بنائے ہیں اور جن میں وحشیانہ طریقہ پر ایذاء پہنچائی جاتی ہے، یہ بین الاقوامی میثاقات اور اصولوں کی کھلی خلاف ورزی اور انسانیت سوز حرکت ہے، جس کا نوٹس اقوام متحدہ اور دیگر عالمی اداروں اور حقوق انسانی وشہری آزادیوں کی بین الاقوامی انجمنوں کو لینا چاہئے، ہم ان سب سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ان عقوبت خانوں اور ان میں روا رکھے جانے والے مظالم کے خلاف آواز بلند کریں، عالمی ادارے ان ممالک کے خلاف تہدید عائد کریں اور انہیں بین الاقوامی قوانین پر عمل کرنے کے لئے مجبور کریں۔

۱۶- سیمینار اس صورت حال پر گہری تشویش ظاہر کرتا ہے کہ ملک کے بعض علاقوں میں بار کونسلیں اور وکلاء ان لوگوں کا مقدمہ لینے سے انکار کررہے ہیں، جن کے خلاف دہشت گردی کا الزام لگایا جاتا ہے، حالانکہ قانونی دفاع ہر شخص کا حق ہے اور یہ ایک مسلمہ عالمی قانون ہے کہ ملزم کو مجرم کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، نہ ملک کا قانون اس کی اجازت دیتا ہے اور نہ یہ اخلاقی وانسانی تقاضوں کے مطابق ہے، وکلاء اور یہ ادارے انصاف قائم کرنے کے لیے ہیں، ان کا ایسی غیر منصفانہ حرکتوں کا مرتکب ہونا نہایت افسوسناک ہے، اس لیے سیمینار وکلاء برادری اور بار کونسلوں سے بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ایسے غیر قانونی رویہ سے گریز کریں اور حکومت سے بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کا سد باب کرے۔

تعلیمی قرض:

تعلیم انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور ہر علم نافع کی اسلام نے حوصلہ افزائی کی ہے، اس ضرورت کی تکمیل کے لیے فرد، سماج اور حکومت تینوں کو اپنا کردار ادا کرنا ضروری ہے، اس پس منظر میں یہ سیمینار حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہمارے ملک میں تعلیم اتنی مہنگی ہوچکی ہے کہ ملک کے غریب شہریوں خاص کر مسلمانوں کی اکثریت کے لیے معاشی پسماندگی کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم کا حصول مشکل ترین امر بن گیا ہے، یہ ملک مختلف مذہبوں، زبانوں اور تہذیبوں کا گلدستہ ہے، اس میں کسی ایک طبقہ کا پچھڑ جانا یقیناً قومی ترقی کے لیے نقصاندہ ہے اس لیے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے میں اپنا مؤثر رول ادا کرے، اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے مسلمانوں کو بلاسودی قرض فراہم کرے، نیز تعلیم حاصل کرنے کے لیے مسلمان بچوں کو معقول اسکالرشپ فراہم کرے اور اس کے حصول کی شرائط کو آسان کرے۔

یہ اجلاس مسلمانوں کو ان باتوں کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ:

۱- ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کو اولین ترجیح دیں اور اپنی آمدنی کا معقول حصہ ان کی تعلیم وتربیت پر صرف کریں۔

۲- مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی نئی نسل کی تعلیمی ضرورتوں کے پیش نظر ملکی، ریاستی اور علاقائی سطح پر اطلاعاتی ادارہ، انجمن، یا کوئی سینٹر قائم کریں جو ملک اور بیرون ملک میں اعلیٰ تعلیم کے مواقع اور حکومت کی تعلیمی امدادی اسکیموں سے نئی نسل کو واقف کرائیں۔

۳- مختلف علوم اور کورسوں کے لیے اسکالرشپ فراہم کرنے

والے اداروں، تنظیموں کے مابین رابطہ اور تعاون واطلاعات کے تبادلہ کا نظم قائم ہو؛ تاکہ طالب علموں کو اسکالرشپ کے حصول میں سہولت ہو۔

۴- ریاستی اور علاقائی سطح پر ایسی تعلیمی فنڈ قائم کریں، جس سے ہونہار اور ضرورتمند بچوں کی اعلیٰ تعلیم کے حصول میں مدد کی جاسکے۔

۵-عصری علوم کے ماہرین خصوصاً ریٹائرڈ اور پروفیشنل حضرات کو چاہئے کہ وہ اپنی معلومات اور تجربات سے نئی نسل کی مؤثر رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔

۶-علماء اور اصحاب ثروت کو چاہئے کہ وہ ان حضرات کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کی منظم کوشش کریں۔

۷- مسلمانوں کے عصری تعلیمی ادارے، اخراجات میں ایسی سہولتیں فراہم کریں کہ ضرورتمند و باصلاحیت طلبہ ان سے بآسانی فائدہ اٹھاسکیں، بالخصوص ڈونیشن کے بھاری اور غیر شرعی بوجھ سے مسلمان طلبہ وطالبات کو آزاد کریں کہ یہ نہ صرف غیر اسلامی بلکہ غیر انسانی طرز عمل بھی ہے۔

یہ اجلاس مسلمان طلبہ وطالبات کو ان باتوں کی تلقین کرتا ہے کہ:

۱-علم مومن کی متاع گم گشتہ ہے لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ پروفیشنل علوم کو انسانی خدمت کا جذبہ سے حاصل کریں۔

۲-مسلمان طلبہ وطالبات کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی دینی پہچان کے ساتھ محنت اور تعلیمی مسابقت کو اپنا شعار بنائیں۔

۳-اپنے تعلیمی اخراجات کی تکمیل کے لیے حسب ضرورت اسکالرشپ اور غیر سودی قرض حاصل کرنے اور اپنی تعلیم مکمل کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

۴-جس طرح سود کا لینا حرام ہے اسی طرح شریعت نے سودی قرض لینے اور سود ادا کرنے کو بھی حرام قرار دیا ہے اس لیے بنیادی طور پر تعلیم کے لیے سودی قرض حاصل کرنا جائز نہیں، البتہ اگر کسی کے پاس مالی گنجائش نہ ہو، غیر سودی قرض نہ مل پائے اور اس کے مطلوبہ تعلیم سے محروم رہ جانے کا اندیشہ ہو تو ایسے طلبہ کو چاہئے کہ کسی معتبر مفتی کو سامنے رکھ کر ان کے مشورہ پر عمل کریں۔

پلاسٹک سرجری:

۱-جسمانی عیب دور کرنے کے لیے پلاسٹک سرجری جائز ہے اور عیب سے مراد جسم میں پائی جانے والی ایسی صورت ہے جو معروف ومعتاد اور عمومی تخلیقی کیفیت سے مختلف ہو، چاہے پیدائشی عیب ہو یا بعد میں پیدا ہو جائے۔

۲- جسمانی تکلیف کے ازالہ کے لیے اگر ڈاکٹر کا مشورہ ہو تو پلاسٹک سرجری جائز ہے۔

۳-درازی عمر کی وجہ سے طبعی طور پر انسان کی ظاہری حیثیت میں جو تغیر آتا ہے جیسے جھریوں کا پیدا ہو جانا وغیرہ، ان کو ختم کرنے کے لیے پلاسٹک سرجری جائز نہیں۔

۴- ناک اور دوسرے اعضاء خلقی طور پر کم خوبصورت اور غیر متناسب ہوں مگر انسان کی عمومی معتاد خلقت کے دائرہ سے باہر نہ ہوں تو زینت اور محض خوبصورتی کے لیے پلاسٹک سرجری جائز نہیں۔

۵-اپنی شناخت چھپانے کے لیے پلاسٹک سرجری جائز نہیں، سوائے اس کے کہ مظلوم کو ظالم سے بچنے کے لیے ایسا کرنا پڑے۔

خواتین کی ملازمت:

۱- یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام خاندانی نظام کے استحکام کو بڑی اہمیت دیتا ہے، چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر اس نے مردوں وعورتوں کی ذمہ داریوں میں تقسیم کار سے کام لیا ہے کہ گھر سے باہر کی ذمہ داریاں جن میں کسب معاش کی تگ ودو بھی داخل ہے، مردوں سے متعلق ہوں گی اور گھر کے اندر کے امور عورتوں سے متعلق ہوں گے، یہ وہ بہترین تقسیم کار ہے جو مسلم معاشرہ میں آج بھی بڑی حد تک خاندانی استحکام کو باقی رکھے ہوئے ہے، اس لیے کسب معاش بنیادی طور پر مردوں کی ذمہ داری ہے نہ کہ عورتوں کی، عورتوں کو بلاضرورت آزادی وترقی کے نام پر کسب معاش پر مجبور کر دینا ایک سماجی ظلم ہے کہ عورتیں

بچوں کی پرورش ونگہداشت اور امورِ خانہ داری وغیرہ اپنے منصبی فرائض بھی انجام دیں اور اس دوڑ دھوپ میں بھی مردوں کی شریک ہوں۔

۲- عام حالات میں شریعت نے خواتین پر کسب معاش کی ذمہ داری نہیں رکھی ہے؛ لیکن شرعی حدود میں رہتے ہوئے ان کے لیے کسب معاش مباح ہے۔

۳- شریعت نے اصولی طور پر خواتین پر نفقہ کی ذمہ داری نہیں رکھی ہے البتہ بعض حالات میں ان پر نفقہ کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔

۴- شرعی حدود وشرائط کا پورا پورا لحاظ کرتے ہوئے عورت کے لیے معاشی جدوجہد جائز ہے۔

۵- عورت کے اندرون خانہ کسب معاش کے لیے کوئی صورت اختیار کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ اس سے شوہر اور بچوں کے حقوق متأثر نہ ہوں۔

۶- شوہر یا ولی اگر عورت کی کفالت کر رہے ہوں تو ہر عورت کے لیے کسب معاش کی غرض سے گھر سے باہر جانے کے لیے ان کی اجازت ضروری ہے، خواہ وہ جگہ مسافت سفر سے کم ہو یا اس سے زیادہ۔

رات میں کسب معاش کی خاطر عورت کے باہر نکلنے کے لیے شوہر یا محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔

۷- خواتین کسب معاش کے لیے گھر سے باہر نکلیں تو درج ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

- ولی یا شوہر کی اجازت شامل ہو، سوائے اس کے کہ ولی یا شوہر نفقہ نہ دیتا ہو اور اس کے لیے خود کسب معاش کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔
- شرعی پردہ کی مکمل رعایت ہو۔
- لباس مردوں کے لیے باعث کشش نہ ہو۔
- خوشبو کے استعمال سے پرہیز ہو۔
- مردوں سے اختلاط بالکل نہ ہو۔
- اجنبی مرد کے ساتھ تنہائی کی نوبت نہ آئے۔
- شوہر اور بچوں کے حقوق سے بے اعتنائی نہ ہو۔

۸- ملازمت کرنے والی خواتین ایسے اداروں میں کام کریں جہاں خواتین ہی خدمت انجام دیتی ہوں؛ لیکن ادارہ کے ذمہ دار مرد ہوں تو اس صورت میں ضروری ہوگا کہ ادارہ کا کوئی مرد تنہائی میں کسی خاتون کارکن سے بات نہ کرے، اگر ذمہ دار مردوں کے ساتھ تبادلہ خیال کی ضرورت ہو تو خواتین پردہ کے اہتمام کے ساتھ بیٹھیں، اپنی آواز میں لوچ سے پرہیز کریں، اسی طرح خواتین کارکن ذمہ دار مردوں کے ساتھ ہنسی مذاق اور بے تکلفی کا ماحول ہرگز نہ بنائیں۔

۹- جوان عورتوں کے لیے ایسے اداروں میں کام کرنا جائز نہیں جہاں ان کے ساتھ مرد کارکن بھی شریک کار ہوں۔

۱۰- ملازمت کی غرض سے عورت کا اپنے گھر اور اپنے اقارب سے دور تنہا مستقل قیام کرنا جائز نہیں، اگر کسی عورت کے ساتھ بہت مجبوری ہو تو پھر وہ مفتی سے رابطہ کر کے اپنی مشکل کا حل تلاش کر سکتی ہے۔

۱۱- سیمینار حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ خواتین کے لیے رات کی ڈیوٹی کو ممنوع قرار دیا جائے، کیونکہ رات کے وقت ڈیوٹی کے لیے جائے ملازمت تک جانا یا جائے ملازمت پر قیام کرنا ان کی جان وناموس کے تحفظ کے لیے خطرہ ہے اور یہ ہمارے ملک کے معاشرتی اقدار کے بھی مغائر ہے۔

۱۲- سیمینار حکومت تعلیمی ورفاہی اداروں اور خاص کر مسلمان انتظامیہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے الگ درسگاہیں اور خواتین کے الگ ہسپتال، اسی طرح شعبہ ہائے زندگی میں عورتوں کے لیے علیحدہ کاؤنٹرز قائم کریں تاکہ خواتین اور لڑکیاں پاکیزہ اخلاقی ماحول میں تعلیم وعلاج وغیرہ کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکیں اور ضرورت مند خواتین کے لیے روزگار کے مواقع بھی بڑھیں۔

not found.

فضائل قرآن

قرآن اور حاملین قرآن کے فضائل

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

”عن عثمان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خيركم من تعلم القرآن وعلمه“۔(بخاری،ابو داؤد،ترمذی)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف کو سیکھے اور سکھائے۔

قرآن شریف چونکہ اصل دین ہے،اس کی بقا اور اشاعت پر ہی دین کا مدار ہے،اس لیے اس کے سیکھنے اور سکھانے کا افضل ہونا ظاہر ہے،کمال اس کا یہ ہے کہ مطالب ومقاصد سمیت سیکھے اور ادنی درجہ اس کا یہ ہے کہ فقط الفاظ سیکھے۔

قرآن مجید کو دستورالعمل سمجھ کر پڑھنا سننا چاہئے:

اگر قرآن کریم کا ترجمہ سرسری طور پر پڑھا،یا سنا جائے تو ثواب تو ملے گا ہی لیکن اس دھیان سے ترجمہ ہو کہ میرے اللہ نے کیا کہا ہے، یہ کیا دستورالعمل ہے جس پر میں چلوں،تو ایک تو ہے محض سمجھ لینا،ایک ہے اس کے معنی کو اپنا دستورالعمل بنانا کہ اس پر مجھے چلنا ہے، چونکہ قرآن شریف قانون کی کتاب ہے اور قانون محض اس لیے نہیں پڑھایا جاتا کہ آدمی اس کو رٹ لے بلکہ اس لیے پڑھایا جاتا ہے کہ قانون کے مطابق زندگی گزاری جائے،قرآن کریم اللہ تعالی کی ذات وصفات کا مظہر ہے،قرآن پاک میں کمالات الٰہی پوشیدہ ہیں اور قرآن شریف اللہ سے تعلق کا ذریعہ ہے۔

قرآن کریم انقلابی کتاب ہے:

قرآن کریم دلوں کو بدل دیتا ہے،روحوں کو بدل دیتا ہے،زمانۂ جاہلیت جو اسلام سے پہلے کا زمانہ ہے،اس وقت لوگوں کے دلوں میں، روحوں میں، ہر برائی جمی ہوئی تھی، وہ شرک، بدعات، منکرات میں مبتلا تھے، چوری، ڈکیتی، زنا کاری، ساری برائیاں ان کے اندر موجود تھیں، قرآن کریم آیا جن دلوں نے اس کو قبول کیا اور اس سعادت کو حاصل کیا تو ایک دم کایا پلٹنی شروع ہوگئی، پہلے ان کا نام تھا جہلاء مکہ مگر جب اس کو قبول کرلیا، اب ان کا نام ہوگیا صحابہ کرام، تو جہلاء مکہ سے صحابہ کرام بن گئے، صحابہ کرام کا وہ زمانہ زمانۂ جاہلیت تھا، اب اس کا نام ہوگیا خیر القرون کہ دنیا کے سارے زمانوں میں بہترین زمانہ ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو جہالت میں مبتلا تھے، وہی حضرات علماء کے استاذ بنے اور انھوں نے پوری دنیا کو نور سے منور کردیا۔

فتنہ سے حفاظت کا ذریعہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرمارہے تھے کہ اے لوگو! خبردار ہوجاؤ! عنقریب ایک عظیم ترین فتنہ برپا ہونے والا ہے، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس فتنہ سے چھٹکارا کیسے ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس سے حفاظت کا ذریعہ صرف قرآن کریم کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا ہے، چونکہ اس میں وہ رموز واسرار ہیں جو کسی اور کتاب میں نہیں پائے جاتے ہیں:

۱-اس کے اندر تم سے پہلے لوگوں کے حالات کا ذکر ہے۔

۲-قرآن کریم میں تمہارے بعد میں قیامت تک آنے والے اموراور حالات کا ذکر ہے۔

۳- قرآن کریم میں تمہارے آپس کے معاملات کے فیصلہ کا حکم موجود ہے۔

۴- قرآن کریم حق و باطل کے درمیان فیصلہ کی چیز ہے۔

۵- قرآن کریم میں کوئی بات مذاق اور لایعنی نہیں ہے۔

۶- جو شخص غرور اور فخر کی وجہ سے قرآن چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالی اس کو ہلاک اور برباد کر دیتا ہے۔

۷- جو شخص قرآن کے علاوہ کسی اور چیز میں ہدایت تلاش کرتا ہے اللہ تعالی اس کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

۸- قرآن کریم اللہ تعالی کی مضبوط رسی ہے۔

۹- قرآن کریم حق تعالی کی یاد دلانیکی چیز ہے، حکمت و دانائی عطا کرنیوالی ہے۔

۱۰- قرآن کریم ہی سیدھا راستہ دکھلانیوالا ہے۔

۱۱- قرآن کریم ایسی کتاب ہے کہ اس کے اتباع کے ساتھ خواہشات نفسانی حق سے ہٹا کر دوسری طرف مائل نہیں کر سکتی۔

۱۲- اس کی زبان ایسی ہے کہ اس کے ساتھ دوسری زبان مشابہ نہیں ہو سکتی۔

۱۳- اس کے علوم سے علماء کے پیٹ کبھی نہیں بھرتے (جتنا غور کرتے ہیں قرآن کریم کے رموز و اسرار بڑھتے جاتے ہیں اور علماء کی طلب بڑھتی رہتی ہے)۔

۱۴- قرآن کریم کے بار بار پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا۔

۱۵- اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے۔

۱۶- قرآن کریم ایسا کلام ہے کہ جب جنات اس کو سنتے ہیں تو اس کی آوازوں کے پاس نہیں پہنچتے، یہاں تک کہ یہ نہ کہیں کہ ہم نے ایک عجیب و غریب قرآن سنا ہے جو ہدایت کا راستہ دکھلاتا ہے، لہٰذا ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔

۱۷- جو شخص قرآن کریم کے مطابق بات کرے اس کی تصدیق کی جاتی ہے۔

۱۸- جو قرآن پر عمل کرے اس کو عمل کا عظیم ترین ثواب دیا جاتا ہے۔

۱۹- جو قرآن کے مطابق فیصلہ کرے تو وہ انصاف کرے گا۔

۲۰- جو قرآن کی دعوت دیتا ہے، اس کو مزید ہدایت کی توفیق ہوتی ہے اور وہ سیدھی راہ پر قائم رہتا ہے۔ (ترمذی شریف)

حفاظت قرآن:

ارشاد خداوندی ہے" إن نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون"۔ (سورہ حجر رکوع ۱ پارہ ۱۴) ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اس آیت میں حق سبحانہ تعالی نے دو عظیم امور کی خبر دی ہے، یاد رکھو اس قرآن کے اتارنے والے ہم ہیں اور ہم نے ہی اس کی ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

یعنی جس شان سے وہ اترا ہے ایک شوشہ یا زیر زبر کی تبدیلی کے بغیر پورے عالم میں پہنچ کر رہے گا اور قیامت تک ہر طرح کی تحریف لفظی و معنوی سے محفوظ رکھا جائے گا، زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر اس کے اصول و احکام کبھی نہ بدلیں گے، فصاحت و بلاغت اور علم و حکمت کتنی ہی ترقی کر جائیں لیکن قرآن کریم کے صوری و معنوی اعجاز میں بالکل ضعف و انحطاط محسوس نہ ہوگا۔

قومیں اور سلطنتیں قرآن کریم کی آواز کو دبانے یا گم کر دینے میں کوشاں ہوں گی لیکن اس کے ایک نقطہ کو کم نہ کر سکیں گی، حفاظت قرآن کے متعلق یہ عظیم الشان وعدۂ الٰہی ایسی صفائی اور حیرت انگیز طریقہ سے پورا ہو کر رہا جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب و مغرور مخالفوں کے سر نیچے ہو گئے، واقعات بتلاتے ہیں کہ ہر زمانہ میں علماء کا بڑا طبقہ جن کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے ایسا رہا کہ جس نے قرآن کے علوم و مطالب کی اور نہ ختم ہونے والے عجائبات کی حفاظت کی، کاتبوں نے رسم الخط کی، قاریوں نے طرز ادا کی، حافظوں نے اس کے الفاظ و عبارت کی وہ حفاظت کی کہ نزول کے وقت سے آج تک ایک

زیروزبر تبدیل نہ ہوسکا، کسی نے قرآن کریم کے رکوع گنے، کسی نے آیتیں شمار کیں، کسی نے حروف کی تعداد بتلائی، حتیٰ کہ بعض نے ایک ایک اعراب اور ایک ایک نقطہ کو شمار کرڈالا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے آج تک کوئی لمحہ اور کوئی ساعت نہیں بتلائی جاسکتی جس میں ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں کی تعداد حفاظ قرآن کی موجود نہ رہی ہو، خیال کرو آٹھ دس سال کا ہندوستانی بچہ جسے اپنی مادری زبان میں دوتین جز کا رسالہ یاد کرنا دشوار ہے، وہ ایک اجنبی زبان کی اتنی ضخیم کتاب جو متشابہات سے پر ہے کس طرح فرفر سنادیتا ہے، پھر کسی مجلس میں ایک بڑے باوجاہت عالم وحافظ سے کوئی حرف چھوٹ جائے یا اعراب کی فروگذاشت ہوجائے تو ایک بچہ اس کو ٹوک دیتا ہے، چاروں طرف سے تصحیح کرنیوالے للکارتے ہیں، ممکن نہیں کہ پڑھنے والے کو غلطی پر قائم رہنے دیں۔

لازوال کتاب:

حضرت عیاض بن حمار مجاشعیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز دوران خطبہ ارشاد فرمایا خبردار! میرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ میں نے تمہیں رسول بنا کر اس لیے مبعوث کیا ہے کہ آپ کی ذات اور آپ کے ذریعہ اوروں کا بھی امتحان لینا مقصود ہے اور میں نے آپ پر ایسی کتاب اتاری ہے جس کو پانی دھو اور مٹا نہیں سکتا اور آپ اس کو سوتے جاگتے دونوں حالتوں میں پڑھ سکتے ہیں (یعنی آنکھ بند کر کے حفظ بھی اور آنکھ سے دیکھ کر ناظرہ بھی) بخلاف باقی آسمانی کتابوں کے کہ وہ صرف اوراق میں محفوظ ہوتی تھیں اور جن کی لکھائی کو پانی کے ذریعہ دھویا مٹایا جاسکتا تھا، لہٰذا ان کتب کے مقابلہ میں قرآن کی حفاظت زیادہ مضبوط اور پائیدار ہے۔ (مسلم شریف)

اولاد کو قرآن پڑھانے کا انعام:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے بیٹے کو ناظرہ قرآن شریف کی تعلیم دلائی اس کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف ہوگئے اور جس شخص نے اپنے بیٹے کو حفظ قرآن شریف کی تعلیم دلائی اس کو قیامت کے دن چودھویں رات کے چاند جیسی صورت پر اٹھایا جائے گا اور اس کے بیٹے سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھنا شروع کرو جب وہ پڑھے گا تو ہر آیت کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اس کے باپ کو ایک درجہ بلند فرماتے رہیں گے۔ (طبرانی)

کتنی مقدار حفظ کرنا فرض ہے:

قرآن شریف کی اتنی مقدار کا حفظ کرنا جس سے نماز ادا ہوجائے ہر شخص پر فرض ہے اور تمام کلام پاک کا حفظ کرنا فرض کفایہ ہے، اگر کوئی بھی العیاذ باللہ حافظ نہ رہے تو تمام مسلمان گنہ گار ہیں بلکہ زرکشی سے ملاعلی قاری نے نقل کیا ہے کہ جس شہر یا گاؤں میں کوئی قرآن پڑھنے والا نہ ہو تو سب گنہ گار ہیں۔ (فضائل قرآن)

اولاد کو تین چیزیں ضرور سکھاؤ:

امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی اولاد کو تین خصلتوں کا ادب سکھلاؤ ایک اپنے نبی کی محبت، دوسری آپ کے اہل بیت کی محبت، تیسری قرآن مجید کا پڑھنا، یہ اس لیے کہ قرآن کریم کے حفاظ کرام قیامت کے دن انبیاء اور اس کے برگزیدہ حضرات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سایہ میں ہوں گے، جس دن اللہ کے عرش کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (تحفۂ حفاظ)

خاص گھر کے لوگ:

حضرت انسؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ یقیناً حق تعالیٰ شانہ کے لیے لوگوں میں سے بعض حضرات خاص گھر کے لوگ ہیں (جو اللہ کے کنبہ میں شمار ہوتے ہیں) صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا کہ حفاظ قرآن وہی اللہ کے اہل ہیں اور خواص ہیں۔ (نسائی شریف)

اللہ کے اولیاء:

حضرت عبداللہ بن عمر سے مرفوعاً نقل ہے کہ قرآن کے باعمل حفاظ

وخدام اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہیں پس جس نے ان سے دشمنی کی اس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی کی اور جس نے ان سے دوستی کی اس نے اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھی۔(تحفۂ حفاظ)

اھل جنت کے سردار:

حضرت علی بن ابی طالب حضرت ابو ہریرہ اور ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کے باعمل حفاظ قیامت کے روز اہل جنت کے سردار ہوں گے۔

بے مثال تاجپوشی:

حضرت معاذ جہنی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جوشخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے تو اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی آفتاب سے بھی زیادہ ہوگی، آفتاب تمہارے گھروں میں ہو پس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص کے متعلق جو خود عامل ہے۔(ابوداؤد شریف)

میدان محشر میں حضرت آدم علیہ السلام کی ساری اولاد جمع ہوگی اول سے آخر تک اربوں کھربوں انسان جمع ہوں گے، جو ایک جلسہ کے مانند ہوگا، صدر حق تعالیٰ شانہ ہوں گے، ملائکہ معاون ہوں گے اور جلسہ کے چاروں طرف فوجیں کھڑی ہوں گی، درمیان میں نبی آدم ہوں گے، ان میں مسلم، غیر مسلم سبھی ہوں گے، ابھی حساب کتاب نہیں ہوا ہوگا، اس وقت ایک بچے کے باپ کو جس نے حفظ کرایا، اس کی تاج پوشی کی جائے گی، اولین آخرین جمع، تاج پہنانے والے اللہ تعالیٰ، اس سے بڑھ کر ایک حافظ کے لیے فخر و اعزاز کا کون سا موقع ہوگا، حافظ تو اپنی ذات سے جو تھا وہ تو تھا ہی اس کے ماں باپ تک یہ اثر پہنچا کہ ان کو بادشاہ بنا دیا گیا ان کی تاجپوشی کی گئی، اولین آخرین میں یہ شور ہوگا بھائی انہوں نے اپنے بچے کو قرآن کریم حفظ کرایا تھا۔

دس آدمیوں کی سفارش کا اختیار:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے قرآن پڑھا اور پھر اس کو حفظ کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام سمجھا تو حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں شفاعت قبول فرمائیں گے کہ جن پر ان کے گناہوں کے سبب دوزخ کا عذاب واجب ہو چکا ہوگا۔(ترمذی شریف)

بہرحال حافظ قرآن کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس کے ساتھ دس ایسے آدمیوں کو بھی جنت میں جانے کا اعلان فرمائیں گے جن کے حق میں دوزخ کا عذاب متعین ہو گیا ہوگا۔

دس ایسے آدمیوں کو وہ جنت دلائے گا
دوزخ میں جن کے جانے کا اعلان ہو گیا

بچہ کو بسم اللہ پڑھانے کے سبب باپ کی مغفرت:

حضرت امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کا ایک قبر پر گزر ہوا، آپ نے (بطور کشف) دیکھا کہ عذاب کے فرشتے میت کو عذاب دے رہے ہیں، آپ آگے چلے گئے، اپنے کام سے فارغ ہو کر جب آپ دوبارہ یہاں سے گزرے تو اس قبر پر رحمت کے فرشتے دیکھے جن کے ساتھ نور کے طبق ہیں، آپ کو اس پر تعجب ہوا، آپ نے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی، اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی، اے عیسیٰ! یہ بندہ گنہ گار تھا اور جب سے مرا ہے عذاب الٰہی میں گرفتار تھا، یہ مرتے وقت اپنی بیوی چھوڑ گیا تھا، اس عورت نے ایک فرزند جنا اور اس کی پرورش کی، یہاں تک کہ بڑا ہوا، اس کے بعد اس عورت نے اس فرزند کو مکتب میں بھیجا، استاذ نے اسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھائی، پس مجھے اپنے بندے سے حیاء آئی کہ میں اسے آگ کا عذاب دوں زمین کے اندر اور اس کا بیٹا میرا نام لیتا ہے زمین کے اوپر۔(تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۱۷۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قرآن کا افتتاح فرمایا:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے یہ فرما کر میرا ہاتھ پکڑا اور ایک مکتب میں مجھے قرآن شریف پڑھانے کے لیے بٹھا دیا، گویا ہر قرآنی مدرسہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

افتتاح فرمودہ ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس کی برکات کارفرما ہیں، سبحان اللہ! اس سے بڑی نعمت وسعادت اہل مدارس کو اور کیا چاہئے۔

معلم قرآن کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا:

حسن بن محمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوع دعا نقل کی ہے اے اللہ! اساتذہ کو بخش دے، ان کی عمر دراز فرماوے اوران کو اپنے (عرش کے) سایہ کے نیچے سایہ نصیب فرماوے کیونکہ وہ تیری نازل کردہ کتاب کی تعلیم دیتے ہیں۔

احسان عظیم:

لقد من اللّٰہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم" (سورہ آل عمران پارہ ٤ /رکوع ٨) اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول ان ہی میں کا۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث فرمانے کو مومنوں پر احسان فرمارہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا لے کر آئے ہیں وہ قرآن پاک ہے اسی کے آگے فرماتے ہیں "یتلو علیہ بآیاتہ" اور کتاب کی تعلیم دیتے ہیں گویا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف کی تعلیم دینے کو ہی مبعوث فرمایا ہے تو وہ نعمت جس کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے اورحق تعالیٰ جس کا احسان جتلاتے ہیں وہ قرآن پاک ہے اور یہ وہ قرآن پاک ہے جس کی نسبت حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم اس کو پہاڑوں پر نازل فرماتے تو وہ دب جاتے، پھٹ جاتے اور یہ اس قرآن کریم کا اثر ہے اگر قرآن پاک کو آنکھوں پر رکھو تو آنکھوں کو ٹھنڈک ہو، سر پر رکھو تو راحت ہو، سینہ پر رکھو تو سرور ہو، جب اس میں یہ اثر ہے تو جن سینوں میں حق تعالیٰ نے اس قرآن کو رکھ دیا ہے ان میں کیا برکت ہوگی۔

قرآن کریم بھلا دینے والے کاانجام:

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن شریف پڑھے اور پھر اس کو بھول جائے، قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کوڑھی ہوکر حاضر ہوگا۔ (ابوداؤدشریف)

ریا کار قراء کاانجام:

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے جب الحزن سے پناہ طلب کرو، صحابہ کرام نے پوچھا کہ جب الحزن کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم کی ایک وادی ہے جس سے روزآنہ سومرتبہ خود جہنم پناہ مانگتی ہے، صحابہ کرام نے پوچھا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کون جائیں گے، تو آپ نے فرمایا کہ اپنے عملوں کی ریا اورنمود کرنیوالے قاری جائیں گے۔ (ترمذی شریف)

حفاظ قرآن سے خطاب:

اے حفاظ قرآن! اپنا مقام پہچانیئے، آپ کے سینے میں اللہ کا کلام ہے، سرالٰہی ہے، علم الٰہی ہے، علم اعظم ہے، اسی علم اعظم میں اسم اعظم بھی ہے، غور فرمائیے جس سینہ میں قرآن شریف بھرا ہوا ہو وہ کس سینہ کے مشابہ ہے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ کے مشابہ ہے اور جب آپ حضرات کو رسول اللہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ سینہ ملا ہے تو آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح خدمت بھی اتنی ہی کرنی ہوگی اور خدمت یہ ہے کہ جو نعمت آپ کو ملی ہے وہ دوسروں تک پہنچائی جائے اوراس کی اشاعت کی جائے، حدیث، تفسیر، فقہ وغیرہ تمام علوم الفاظ قرآنی ہی کی بدولت قائم ہیں؛ لیکن خدانخواستہ یہ الفاظ نہ رہیں تو تمام علوم منہدم ہوجائیں گے، بس اے حفاظ کرام اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لیے قرآن کریم کی خدمت میں لگے رہو، اور خوش ہوجاؤ فرشتے خادم قرآن کی قبر کی زیارت کرتے ہیں، اورقرآن کی درس وتدریس میں موت شہادت ہے، یہ "عالم الغیب والشھادہ" کا فیصلہ زبان رسالت سے صادر ہوا ہے "اللّٰھم تقبل منا انك انت السمیع العلیم"۔

❁❁❁❁

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: گلدستۂ علم ونظر
تالیف: حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
صفحات: ۲۹۶/
قیمت: ۱۱۰/روپئے
ناشر: کتب خانہ نعیمہ دیوبند (یوپی)

یہ کتاب ''گلدستۂ علم ونظر'' ہمارے محترم استاذ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صدر شعبہ تفسیر واستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے گذشتہ پچاس سال کے درمیان لکھے گئے مضامین کا وہ مجموعہ ہے جو مختلف رسائل وجرائد میں چھپے یا مختلف جلسوں میں پڑھے گئے، حضرت مولانا کو اللہ تعالی نے حکمت ودانائی، فہم وبصیرت، علمی گہرائی اور گیرائی، معتدل ومتوازن فکر، درس وتدریس کا طویل تجربہ، تصنیف وتالیف کا ملکہ اور تقریر وتحریر کی بھرپور صلاحیت، افہام وتفہیم کی پوری قدرت، فقہ وفتاوی میں مکمل دسترس، علمی نکات کے اخذ کرنے اور بیان کرنے کی مہارت جیسی صفات سے نوازا ہے، اسی لیے جب وہ لکھتے یا بولتے ہیں تو گویا علمی موتی بکھیرتے ہیں اور سننے والے گوش برآواز ہوجاتے ہیں اور سنجیدگی کا ایک سماں بندھ جاتا ہے، درس آپ کا شیریں پرمغز، پرازنکات اور مدلل ہوتا ہے، آپ کے درس میں اکتاہٹ نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، نیز آپ کا کلام بھی حشو زوائد سے پاک ہوتا ہے، آپ کے جملے جچے تلے محتاط بامعنی اور باوزن ہوتے ہیں اوران میں آپ کا علمی جوش ظاہر ہوتا ہے۔

پیش نظر کتاب آپ کے علمی جواہر پاروں کا ایک گنجینہ ہے، اس کے بارے میں خود حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ ''زیرنظر کتاب مصنف کے کم وبیش نصف صدی کے درمیان لکھے (اور چھپے) کچھ مقالات کا مجموعہ ہے (جن میں ایک ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا اور ایک ابھی کچھ عرصہ قبل ۲۰۰۶ء کے اواخر میں لکھا گیا) تقریباً ہر مقالہ کے محرک اور موقع ومحل کا ذکر اسی کے شروع یا آخر میں کردیا گیا ہے، جس سے اندازہ ہوگا کہ ان میں سے کوئی بھی محض لکھنے کا شوق پورا کرنے یا مقالہ نگاروں کی فہرست میں اپنا نام لکھانے کے لیے یعنی بغیر کسی اہم مقصد کے نہیں لکھا گیا، غرضیکہ طویل مقالات کے علاوہ اس مجموعے میں استفتاء کے انداز میں کئے گئے کچھ سوالات کے مختصر جواب بھی شامل ہیں، اکثر مقالات کا محرک مصنف کے نزدیک اہم ہونے کے ساتھ ہی علمی، دینی، فکری اور اصلاحی یا اس جیسا کوئی اور مثبت مقصد لئے ہوئے ہے''۔

کتاب کے پیش لفظ میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں کہ ''ہمارے مخدوم حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی دامت برکاتہم کو اللہ تعالی نے دونوں جہتوں کا جامع بنایا ہے، ان کے قلم سے فکری تحریریں بھی منظر عام پر آئی ہیں اور فقہی واصلاحی تحریریں بھی، انہوں نے ان لوگوں کو بھی مخاطب کیا ہے جو فکر صحیح سے منحرف ہیں اور تذکیر واصلاح کی طرف بھی توجہ دی ہے، ان کی تحریریں کم وبیش پینتیس، چالیس سال سے ملک کے مؤقر رسائل وجرائد میں شائع ہوتی رہی ہیں، اور وہ اصحاب ذوق کی آنکھوں کا سرمہ بنی ہیں، اہل علم نے انہیں بڑی وقعت اور قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے، یہ تحریریں اخبار وجرائد کے دفینوں میں اس طرح چلی گئیں تھیں کہ اہل علم کی ان تک رسائی ممکن نہ تھی، بعض حضرات نے مولانا سے تحریک کی کہ وہ ان متفرق رسائل کو یکجا کرادیں، تاکہ یہ کتابی شکل میں شائع ہوجائیں، غرضیکہ مؤلف کے مقالات کا یہ مجموعہ ایک خوبصورت گلدستہ ہے، جس میں برہان بھی ہے اور عرفان بھی، مؤلف کی ذات اہل علم کے درمیان محتاج تعارف نہیں، انہوں نے تقریباً نصف صدی علوم اسلامی کی تدریس میں صرف کی ہے جو ہنوز جاری ہے اور تمام ہی اہم فنون کی کتابیں آپ کے زیر تدریس رہی ہیں، ایک درجن سے زیادہ (تقریباً ۱۶) تالیفات آپ کے قلم سے منظر عام پر آچکی ہیں'' اور یہ تصنیف برائے تصنیف کا مصداق نہیں ہیں، بلکہ امت کی ضروریات اور وقت کے تقاضوں کے پس منظر میں لکھی گئی ہیں، ان خصوصیات کی بنا پر حضرت مولانا کے مضامین کے سلسلہ میں رائے قائم کرنا

کچھ مشکل نہیں رہا، مگر پھر بھی کتاب کے مقالات پر ایک نظر ڈالئے اور اندازہ لگائیے، اس طرح کہ اس کتاب میں مندرجہ ذیل کل ۱۶/مقالات ہیں:

۱- فقہ حنفی میں ہر زمانہ کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت زیادہ۔
۲- اسلام کا نظام عدل ومساوات۔
۳- اسلامی فقہ کا تفصیلی تعارف اوراس کی انسانیت کو ضرورت۔
۴- مفتی اور قاضی کے مشترک اوصاف۔
۵- اسلام اور حقوق انسانی۔
۶- حکمت نبوی میں طبقاتی کشمکش کا حل۔
۷- بعض احادیث مروجہ پر ایک نظر
۸- حرم کے مسافروں اور مکینوں سے
۹- فاسق کی نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟
۱۰- کیا مغصوبہ زمین پر مسجد تعمیر کی جاسکتی ہے یا نہیں؟
۱۱- کتنی بڑی بستی میں جمعہ صحیح ہوتا ہے؟
۱۲- ٹیلی فون، انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعہ نکاح کا طریقہ
۱۳- انٹرنیٹ، ٹیلی ویژن، تصویر وغیرہ کا دینی مقاصد کے لیے استعمال کا حکم۔
۱۴- کیا طویل مدت تک جماع نہ کرنے سے بیوی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوجاتا ہے۔
۱۵- منصب خلافت اور خلفائے راشدین۔
۱۶- شاہ ولی اللہ کا مسلک کیا تھا؟

کتاب کس قدر علمی، فقہی، اصلاحی اور فکری ہے، ان مشمولات سے اس کی اہمیت وافادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، قارئین اور علمی ذوق رکھنے والے حضرات کے لیے یہ ایک شاہکار ہے، کتابت وطباعت عمدہ، معیاری، خوبصورت کور کے ساتھ کتاب مجلد ہے، امید ہے کہ اہل علم حضرات اور طلبہ کرام اس کتاب کو حاصل کرکے فائدہ اٹھائیں گے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور حضرت مؤلف دامت برکاتہم کو صحت وعافیت کے ساتھ سلامت باکرامت رکھے اور ان کی عمر دراز فرمائے اور جس مقصد سے اس کی اشاعت ہوئی ہے اس میں کامیابی عطا فرمائے۔

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی

اہم تصانیف

۱- مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو) ۱۰/روپے
۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قوائد، مشق اور طریقہ تدریس اردو) ۱۰/روپے
۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ) ۳/روپے
۴- ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی) ۲۰/روپے
۵- رہنمائے طریقت (شریعت وطریقت، تصوف وسلوک، اخلاق حمیدہ ورذیلہ) ۱۰/روپے
۶- مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات، عربی) ۵/روپے
۷- الامامۃ فی الصلاۃ مسائلہا واحکامہا (امامت کے مسائل واحکام، عربی) ۳۰/روپے
۸- التدخین بین الشرع والطب (تمباکو ونشہ آور چیزیں شریعت وطب کی روشنی میں، عربی) ۲۰/روپے۔
۹- حیات عبدالرشید (حضرت رائے پوری کے خلیفہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ کی سوانح حیات) ۵۰/روپے
۱۰- سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب کے والد ماجد کی سوانح حیات) ۵۰/روپے
۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (مولانا محمد میاں شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی وناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند کے حالات زندگی اور کارنامے) ۵۰/روپے
۱۲- تذکرہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ (مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر حالات زندگی) ۸/روپے
۱۳- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (علامہ ندویؒ کے مختصر حالات زندگی) ۸/روپے
۱۴- تذکرہ حضرت مدنی (حضرت سید حسین احمد مدنی کے مختصر واہم حالات) ۸/روپے
۱۵- چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (چودہ بزرگوں کے حالات) ۳۰/روپے
۱۶- مقالات ومشاہدات (مختلف موضوعات پر تقریباً ۲۷/مضامین کا مجموعہ) ۳۰/روپے
۱۷- مکتوبات اکابر (۲۰/بزرگوں کے خطوط کا مجموعہ) ۳۰/روپے

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

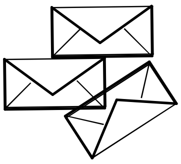

مراسلات

Markazulhyailfikrilislami,Muzaffarabad,Saharanpur(u.p)

محترم مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب

سلام مسنون!

ماہنامہ نقوش اسلام کے نومبر ۲۰۰۸ء کے شمارہ میں میرے مضمون ''استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے پر سخت انتباہ'' کی اشاعت کے لیے مشکور ہوں اسے پڑھ کر برادارن ملت سے مبارک باد کے پیغام موصول ہورہے ہیں۔

جنوری ۲۰۰۹ء کے شمارے میں یوں تو تمام ہی مشمولات قابل قدر ہیں، لیکن مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی کا تاریخی مضمون بہت عمدہ تھے، امامت کے مسائل اور احکام پر آپ کے سلسلہ وار مضامین بے حد معلوماتی ہیں، امید ہے کہ آپ اسی طرح دینی مسائل پر لکھتے رہیں گے۔

ایک تحریر ''غرور کا عبرت ناک انجام'' روانۂ خدمت ہے، مناسب ہو تو شائع فرمائیں۔ خیر اندیش

سید اطہر اورنگ آبادی

چیف کمرشل انسپکٹر (ریلوے)

اختر پلازا، اعظم کالونی، روشن گیٹ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

ہمدم و انیس من مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی

چیف ایڈیٹر ماہنامہ نقوش اسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعدہٗ بحمد للہ بخیر وعافیت ہے اور امید کرتا ہے کہ آپ سب بھی بعافیت ہوں گے، دیگر ضروری تحریر اینکہ آپ کے مطالبہ پر بندہ اپنے دو مقالات اشاعت کے لیے آپ کے مؤقر رسالہ میں بھیج رہا ہے، جو ابھی تک اشاعت پذیر نہیں ہوئے ہیں، ایک مقالہ دو قسطوں میں اور دوسرا تین قسطوں میں بآسانی شائع ہوجائے گا۔

مجھے اس پر مسرت ہے کہ آپ ناچیز کی معمولی تحریروں کو پابندی سے شائع کرتے ہیں، اور بار بار مطالبہ اور تقاضہ بھی کرتے ہیں اور پابندی سے بھیجتے ہیں اس ذرہ نوازی پر میں بہت مشکور ہوں، اور اس ماہنامہ کے وقار واعتبار کی زیادتی اور معیار کی بلندی اور روز افزوں ترقی کے لیے خواہش مند اور دعا گو ہوں۔ والسلام

رحمت اللہ ندوی

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

محترم جناب مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خیریت طرفین نیک مطلوب:

بندہ کو آپ کا رسالہ فروری ۲۰۰۹ء موصول ہوا، چند صفحات کے مطالعہ کرنے کے بعد بندہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر رسالہ کو اردو ادب کا ایک حسین اور بہترین گلدستہ کہا جائے تو شاید بیجا نہ ہوگا، نیز اس رسالہ میں موجودہ فہرست مضامین پر ایک نظر ڈالنے سے یہ محسوس ہوا کہ یہ رسالہ اپنی نوعیت کا واحد رسالہ ہے اور سیاسی، سماجی، تاریخی، ادبی، دینی، علمی، اصلاحی مضامین کا ایک عظیم شہ پارہ ہے، جو ہر قاری کے لیے یقیناً نفع بخش اور سودمند ہے، دلی دعا ہے کہ آپ حضرات کی یہ کاوش بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل کرے، اپنا مضمون بھی انشاء اللہ ارسال کروں گا، دعا کی درخواست ہے۔

دعاؤں کا طالب

محمد سعید شیخ فلاحی

خادم جامعہ فیضان القرآن احمد آباد سرخیز

مکرمی ومحترم جناب مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

عرض تحریر اینکہ بندہ آپ کا مؤقر رسالہ نقوش اسلام شروع ہی سے پابندی سے مطالعہ کرتا ہے اس کے وقیع مضامین آنجناب کی رات دن کی محنت وکاوش کی غمازی کرتے ہیں، اللہ اسے مزید قبولیت سے نوازے، اور آپ کے اس ادارہ کو دن دونی رات چوگنی ترقیات سے نوازے آمین

دعاؤں کا محتاج

عبید اللہ ندوی نیپالی فلاح المسلمین تیندوا، رائے بریلی

Postal.Regd.No.R.N.P/SHN/075/09-11 R.N.I.No.UP.URDU/2007/22057

حالات حاضرہ

عالمی خبریں News World

حافظ عبدالستار عزیزی

ترکی میں ایک مذہبی پیشوا یہودی اور اس کا خاندان اسلام کی آغوش میں

ایک مذہبی پیشوا یہودی ''ارون کوہین'' اس کی بیوی ''فلوری'' اور بیٹی ''میری'' سب نے ترکی کے شہر استنبول میں وہاں کے مفتی اعظم کے سامنے اسلام کا اعلان کیا ہے۔

''ارون'' نے اسلام قبول کرنے کے بعد کہا کہ ''میں تمام آسمانی مذاہب کا احترام کرتا ہوں لیکن اسلام ایک کامل ومکمل دین ہے اور یہ سب سے آخری دین ہے اور قرآن کریم تمام آسمانی مذاہب کی خصوصیات کا جامع ہے'' انہوں نے اس بات کو پرزور انداز میں بیان کیا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔

انہوں نے اس بات کی وضاحت کی کہ میں نے اسلام لانے کا فیصلہ اپنے دوسرے یہودی مذہبی پیشواؤں کے برے سلوک اور ان کی بداخلاقی کی وجہ سے کیا، میں نے ایک بیوہ یہودی خاتون سے شادی کا ارادہ کیا جو فرانس کے ایک مدرسہ میں معلّمہ کی حیثیت سے کام کرتی تھی، لیکن اس میں یہود کی جانب سے کافی روکاوٹیں حائل ہوئیں، میں حقیقی اور فطری سعادت تک پہنچنا چاہتا تھا اس لیے کہ میں نے اور میری بیوی اور بیٹی اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔

واضح رہے کہ ''ارون کوہین'' پینتیس سال کے زائد عرصہ سے استنبول کے ایک یہودی گرجا گھر میں کام کرتے تھے، وہ مذہی اعمال کے دوران وہی اشعار پڑھا کرتے تھے کیونکہ اللہ نے ان کو بہترین آواز سے نوازا تھا۔

عرب امارات میں مشرف باسلام ہونے والوں میں اضافہ

دارالحکومت ابوظہی میں واقع ''مرکز المسلم الجدید'' کی جانب سے یہ بیان شائع کیا گیا ہے کہ مشرف باسلام ہونے والے غیر ملکی لوگوں کی تعداد میں قابل لحاظ حد تک اضافہ ہو رہا ہے، واضح رہے کہ اس سینٹر کے افتتاح کے بعد سے اب تک چار سال کے دوران اسلام قبول کرنے والے غیر ملکی افراد کی تعداد ۶۳۰ ر تک پہنچ چکی ہے، جن میں ۷۰ ر فیصد خواتین ہیں۔

سینٹر کے ڈائریکٹر محمد ناصر کہتے ہیں کہ ''ہر ہفتہ نئے مسلمان ہونے والے افراد کا اوسط دس افراد کا ہے، جن میں سے اکثر کا تعلق فلپائن سے ہے، اس کے علاوہ دوسرے ممالک کے لوگ بھی مشرف باسلام ہوئے ہیں، جن میں ۷ ر فیصد نو مسلم افریقی ۵ ر فیصد ہندوستانی اور ۵ ر فیصد چینی ہیں، جب کہ یورپ وامریکہ کے بھی بعض لوگ اسلام قبول کرتے ہیں۔

ناصر کا بیان ہے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی اعلان وتشہیر نہیں کی بلکہ انہوں نے اپنا دعوتی منصوبہ ایک چھوٹے سے آفس کے ذریعہ شروع کیا جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ جو لوگ اسلام کے بارے میں واقف ہونا چاہتے ہیں ان کے لیے اسلامی لٹریچر فراہم کیا جائے، یہاں تک کہ خود ہی ایک کثیر تعداد اس مرکز میں آنے لگی، جن کو اپنے دوستوں کے ذریعہ اس کی اطلاع ملی اور اب دعوت روز بروز عام ہوتی جا رہی ہے۔

وفیات

۱۷ ر مارچ ۲۰۰۹ء بروز منگل کو مولانا علی حسن مہتمم دارالعلوم امدادیہ گڑھی یمنا نگر (ہریانہ) کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا ہے۔

مرحومہ صوم وصلوۃ کی پابند اور دینی ذہن رکھنے والی نیک خاتون تھیں، تمام قارئین سے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مولانا محمد الیاس صاحب بھٹکلی ندوی جنرل سکریٹری مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل کے والد محترم کا انتقال ہو گیا ہے۔

مرحوم ایک دیندار اور دینی ذہن رکھنے والے صالح مسلمان تھے، تمام قارئین سے مرحوم کے لیے دعا مغفرت کی درخواست ہے۔

ششماھی امتحان کی تعطیل

۲۶ ر مارچ کو مرکز کے دونوں اداروں جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ اور جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات میں ششماہی امتحان کی ایک ہفتہ کے لیے چھٹی ہو گئی، ۴ ر اپریل کی صبح سے دونوں ادارے کھل جائیں گے انشاء اللہ۔